ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

30

تنظیم اسلامی کا پیغام
خلافت راشدہ کا نظام

مسلسل اشاعت کا
31 واں سال

تنظیم اسلامی کا ترجمان

10 تا 16 محرم الحرام 1444ھ / 9 تا 15 اگست 2022ء

محرم الحرام کا پیغام

اللہ تعالیٰ نے ماہ محرم کو عزت واحترام اور حرمت وفضیلت کا مہینہ قرار دیا ہے۔ مُحرم الحرام ایثار، قربانی، اتحادِ امت، باہمی رواداری اور پُرامن بقائے باہمی کا درس دیتا ہے۔ مدینہ طیبہ سے میدان کربلا تک اسلام کے لیے عظیم قربانیوں کی تاریخ اسی ماہِ مبارک سے وابستہ ہے۔

جس طرح قبل از اسلام تاریخ کے ایسے عظیم واقعات اس ماہ مبارک میں پیش آئے جنہوں نے انسانیت کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ اسی طرح دورِ نبوت ورسالتؐ اور اسلام کے صدر اوّل میں ایسے واقعات پیش آئے کہ امت مسلمہ انہیں فراموش نہیں کرسکتی۔ خاص طور پر یکم محرم الحرام کو خلیفۂ دوم، مرادِ رسول ﷺ سیدنا حضرت عمر فاروقؓ اور دس محرم الحرام کو نواسۂ رسولؐ سیدنا حضرت حسینؓ کی اپنے قافلے اور خاندان نبوتؐ کے افراد کے ساتھ شہادت جیسے واقعات سے نا صرف مسلمان بلکہ انسانیت اور تاریخ انسانیت ان سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ ان اہم واقعات کی وجہ سے امت نے اسلام کی سربلندی کی جدوجہد کے سفر کو مدینہ اور کربلا سے وابستہ کرلیا ہے کہ خونِ شہادت سے اسلامی تاریخ سرخ رُو ہے اور مسلمانوں کا ایمانی جذبہ اس سے جدوجہد کا درس اور زندگی کی حرارت محسوس کرتا ہے۔

ایک طرف اسلام کی ایک بنیاد عدل اجتماعی ہے اور اس کے لیے حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا اسوہ قابل تقلید ہے تو دوسری طرف اس کے لیے اپنی اور اپنے خاندان کی جانوں کا نذرانہ پیش کرنا ہے۔ خاندان نبوتؐ اور سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا صبر و رضا، اعلائے کلمۃ اللہ، جرأت واستقامت اور حق کے لیے ہر قوت سے ٹکرا جانا، ایک ایسا کردار ہے جس نے تاریخ کو، کربلا کو، امتِ مسلمہ اور ایمانی جذبوں کو زندہ وجاوید کر دیا ہے۔

ان قربانیوں کا سب سے بڑا درس یہ ہے کہ ذاتی جذبات وخواہشات اور مفادات کو کسی بھی عظیم مقصد کے حصول کے لیے قربان کر دیا جائے۔ آج کے حالات میں جب اسلامی جمہوریہ پاکستان بیرونی دباؤ کا شکار اور چاروں طرف سے دشمن طاقتوں کے گھیرے میں ہے۔ ان حالات میں ہمارا فرض ہے کہ داخلی طور پر رواداری اور پُرامن بقائے باہمی کے اصولوں پر عمل کیا جائے اور امت میں انتشار کی ہر کوشش کو ناکام بنا دیا جائے۔ یہی وقت کی ضرورت اور محرم الحرام کا پیغام ہے اور امت کی عظمت رفتہ کو بحال کرنے کی سب سے بڑی تدبیر بھی۔

مولانا عبدالرؤف فاروقی

اس شمارے میں

سالِ نو

نفع کی تجارت

استحکامِ پاکستان

امریکی صدر کا دورہ مشرقِ وسطیٰ اور تہران میں سہ فریقی مذاکرات

حضرت ربیع رضی اللہ عنہا بنت نضر

ہم سے کر درگزر!

الہدیٰ
ڈاکٹر اسرار احمدؒ 996

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جادوگروں پر فتح

سُوْرَۃُ الشُّعَرَاء — بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ — آیات: 43 تا 48

قَالَ لَہُمۡ مُّوۡسٰۤی اَلۡقُوۡا مَاۤ اَنۡتُمۡ مُّلۡقُوۡنَ ﴿۴۳﴾ فَاَلۡقَوۡا حِبَالَہُمۡ وَ عِصِیَّہُمۡ وَ قَالُوۡا بِعِزَّۃِ
فِرۡعَوۡنَ اِنَّا لَنَحۡنُ الۡغٰلِبُوۡنَ ﴿۴۴﴾ فَاَلۡقٰی مُوۡسٰی عَصَاہُ فَاِذَا ہِیَ تَلۡقَفُ مَا یَاۡفِکُوۡنَ ﴿۴۵﴾
فَاُلۡقِیَ السَّحَرَۃُ سٰجِدِیۡنَ ﴿۴۶﴾ قَالُوۡۤا اٰمَنَّا بِرَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۴۷﴾ رَبِّ مُوۡسٰی وَ ہٰرُوۡنَ ﴿۴۸﴾

آیت: ۴۳ ﴿قَالَ لَہُمۡ مُّوۡسٰۤی اَلۡقُوۡا مَاۤ اَنۡتُمۡ مُّلۡقُوۡنَ ﴿۴۳﴾﴾ ’’موسیٰؑ نے ان سے کہا کہ پھینکو تم لوگ جو کچھ پھینکنے والے ہو!‘‘

آیت: ۴۴ ﴿فَاَلۡقَوۡا حِبَالَہُمۡ وَ عِصِیَّہُمۡ﴾ ’’تو انہوں نے پھینک ڈالیں اپنی رسیاں اور لاٹھیاں‘‘

﴿وَ قَالُوۡا بِعِزَّۃِ فِرۡعَوۡنَ اِنَّا لَنَحۡنُ الۡغٰلِبُوۡنَ ﴿۴۴﴾﴾ ’’اور کہا کہ فرعون کی عزّت کی قسم‘ یقیناً ہم ہی غالب رہنے والے ہوں گے!‘‘

آیت: ۴۵ ﴿فَاَلۡقٰی مُوۡسٰی عَصَاہُ فَاِذَا ہِیَ تَلۡقَفُ مَا یَاۡفِکُوۡنَ ﴿۴۵﴾﴾ ’’اب موسیٰؑ نے اپنا عصا پھینکا تو یکا یک وہ نگلنے لگا اُس فریب کو جو انہوں نے بنایا تھا۔‘‘

ان کی رسیاں اور لاٹھیاں جو بظاہر سانپ دکھائی دے رہی تھیں‘ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا نے اژدھا بن کر انہیں نگلنا شروع کر دیا۔

آیت: ۴۶ ﴿فَاُلۡقِیَ السَّحَرَۃُ سٰجِدِیۡنَ ﴿۴۶﴾﴾ ’’تو سارے جادوگر بے اختیار سجدے میں گرا دیے گئے۔‘‘

اُلۡقِیَ صیغہ مجہول ہے‘ یعنی وہ سجدے میں خود نہیں گرے بلکہ گرا دیے گئے۔ مطلب یہ کہ اپنے جادو کے زائل ہونے کا منظر دیکھ کر وہ لوگ اس طرح بے اختیار سجدوں میں گر گئے جیسے کسی نے انہیں ایسا کرنے پر مجبور کر دیا ہو۔

آیت: ۴۷ ﴿قَالُوۡۤا اٰمَنَّا بِرَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۴۷﴾﴾ ’’اور کہنے لگے کہ ہم تمام جہانوں کے رب پر ایمان لے آئے ہیں۔‘‘

آیت: ۴۸ ﴿رَبِّ مُوۡسٰی وَ ہٰرُوۡنَ ﴿۴۸﴾﴾ ’’جو موسیٰؑ اور ہارونؑ کا رب ہے۔‘‘

درس حدیث

اسلامی رشتے کے چند خاص حقوق

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: ((حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَی الْمُسْلِمِ خَمْسٌ: رَدُّ السَّلَامِ وَعِیَادَۃُ الْمَرِیْضِ وَاتِّبَاعُ الْجَنَائِزِ وَاِجَابَۃُ الدَّعْوَۃِ وَتَشْمِیْتُ الْعَاطِسِ)) (متفق علیہ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: ’’ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر پانچ حق ہیں: سلام کا جواب دینا‘ بیمار کی عیادت کرنا‘ جنازے کے ساتھ جانا‘ دعوت قبول کرنا اور چھینک آنے پر ’’یرحمك اللہ‘‘ کہہ کر اس کے لیے دعائے رحمت کرنا۔‘‘

تشریح: مطلب یہ ہے کہ روزمرہ کی عملی زندگی میں یہ پانچ باتیں ایسی ہیں جن سے دو مسلمانوں کا باہمی تعلق ظاہر ہوتا ہے اور نشوونما بھی پاتا ہے‘ اس لیے ان کا خاص طور سے اہتمام کیا جائے۔ ایک دوسری حدیث میں سلام کا جواب دینے کی جگہ خود سلام کرنے کا ذکر فرمایا گیا ہے‘ اور ان پانچ کے علاوہ بعض اور چیزوں کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث میں ان پانچ کا ذکر بطورِ تمثیل کے فرمایا گیا ہے‘ ورنہ اور بھی اس درجہ کی چیزیں ہیں جو اسی فہرست میں شامل ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سالِ نو

اللہ تعالیٰ کے آخری نبی اور رسول محمد ﷺ کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر صدیق ؓ مسلمانوں کے خلیفہ مقرر ہوئے اور ’خلیفۃ الرسول‘ کہلائے لیکن جب آپؓ اس دنیا فانی سے رحلت فرما گئے اور حضرت عمرؓ منصب خلافت پر فائز ہوئے تو وہ اصلاً خلیفۃ الرسول کے خلیفہ تھے۔ ظاہر ہے وقت گزرنے کے ساتھ خلیفہ کے لفظ کا تسلسل جاری نہیں رکھا جا سکتا تھا لہٰذا حضرت عمر فاروق ؓ کے لیے اور اُن کے بعد مسلمانوں کے خلفاء کے لیے امیر المومنین کا لفظ استعمال کیا گیا۔ حضور ﷺ کے وصال کے بعد جب ابوبکر صدیق ؓ خلیفہ بنے تو جزیرہ نما عرب میں داخلی سطح پر بہت سے مسائل بلکہ انتشار پیدا ہو گیا۔ مسیلمہ کذاب جیسے جھوٹے نبی کا فتنہ شدت اختیار کر گیا، ایک بڑے گروہ نے ریاست کو زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔ آپ ﷺ اُسامہ بن زید ؓ کی سربراہی میں ایک لشکر کو مدینہ سے روانگی کا حکم دے چکے تھے۔ اتنے ہنگامی حالات میں بھی خلیفۃ الرسول حضرت ابوبکر صدیق ؓ اُسے روکنے پر آمادہ نہیں تھے کہ اس کا حکم حضور ﷺ نے دیا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ ان سب مسائل کے سامنے جس طرح سینہ سپر ہوئے اُس کے لیے کوئی زبان یا قلم یہ استعداد نہیں رکھتی کہ کہا جائے کہ تحسین کا حق ادا ہو گیا۔ آپؓ استقامت کا پہاڑ بن گئے، صبر، برداشت، تحمل، بردباری، جرأت و بہادری کا ایسا نمونہ پیش کیا کہ مسائل اور مصائب چھٹ گئے اور جب سوا دو سال بعد آپؓ اس دنیا سے رخصت ہوئے تو شر، فتنہ اور فساد ختم ہو چکا تھا۔ اور یہ بات آسانی سے کہی جا سکتی ہے کہ جزیرہ نما عرب میں داخلی طور پر زندگی نارمل ہو چکی تھی لیکن ظاہر ہے اتنے مختصر عرصہ میں بیرونی دشمن قوتوں سے زور آزمائی کا کوئی موقع نہیں تھا۔

حضرت عمر فاروق ؓ جنہیں صحیح طور پر مرادِ رسول ﷺ کہا جاتا ہے اور ان کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا: ”نبوت مجھ پر ختم ہو چکی لیکن اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتا۔“ پھر آپؐ نے فرمایا: ”جدھر سے عمر گزرتا ہے شیطان وہ راستہ چھوڑ دیتا ہے۔“ اور آج کی دنیا اس جلیل القدر صحابی سے اتنی مرعوب ہے کہ کہتی ہے اگر دنیا میں ایک عمر فاروق ؓ اور ہوتا تو ساری دنیا مسلمان ہو جاتی۔ حضرت عمر فاروق ؓ کے دور میں اسلامی ریاست کا رقبہ بائیس لاکھ اکاون ہزار تیس (22,51,030) مربع میل تک پھیل گیا تھا۔ مفتوحہ علاقوں کو اسلامی ریاست کا حصہ بنایا گیا، اُنہیں صوبوں کا درجہ دیا گیا اور مرکز نے وہاں اپنے گورنر بھیجے۔ پھیلتی ہوئی سلطنت کے تقاضے تھے لہٰذا ڈاک کا نظام قائم کیا گیا، پولیس کا محکمہ اور کئی دوسرے محکمہ جات قائم کیے گئے۔ ان صوبوں کے گورنروں سے رابطہ کے لیے اور اُن کی record keeping اور مراسلات پر اوقات کا تعین کرنے کے لیے ایک اسلامی کیلنڈر کی ضرورت تھی۔ حضرت عمر ؓ نے اس پر وسیع مشاورت کی کہ اسلامی کیلنڈر کا آغاز اُس وقت سے کیا جائے جب آپ ﷺ نبوت سے سرفراز ہوئے یا اُس وقت سے جب مکہ سے مدینہ ہجرت کی گئی جو گیم چینجر ثابت ہوئی، وہاں سے کیا جائے۔

ہفت روزہ — لاہور

ندائے خلافت

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تنظیم اسلامی کا ترجمان، نظامِ خلافت کا نقیب

بانی: اقتدار احمد مرحوم

10 تا 16 محرم الحرام 1444ھ — جلد 31
9 تا 15 اگست 2022ء — شمارہ 30

مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
مدیر: ایوب بیگ مرزا
ادارتی معاون: فرید اللہ مروت

نگران طباعت: شیخ رحیم الدین
پبلشر: محمد سعید اسعد، طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ، لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی
”دارالاسلام“ ملتان روڈ چوہنگ لاہور۔ پوسٹل کوڈ 53800
فون: 78-35473375 (042)
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور۔ 54700
فون: 03-35869501 فیکس: 35834000
nk@tanzeem.org

قیمت فی شمارہ 20 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک ...... 800 روپے
بیرون پاکستان
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ (14300 روپے)
انڈیا، یورپ، ایشیا، افریقہ وغیرہ (10800 روپے)
ڈرافٹ، منی آرڈر یا پے آرڈر
”مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن“ کے عنوان سے ارسال کریں۔ چیک قبول نہیں کیے جاتے
Email:maktaba@tanzeem.org

”ادارہ“ کا مضمون نگار حضرات کی تمام آراء سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

مشاورت کے بعد فیصلہ ہوا کہ ہجرتِ مدینہ سے اسلامی کیلنڈر کا آغاز ہو۔ سال میں بارہ (12) مہینے ہوتے ہیں یہ تو قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ نے طے فرما دیا۔ سال کا پہلا مہینہ محرم ہے اور آخری مہینہ ذوالحجہ ہے لہٰذا تمام مسلمانوں کے لیے نیا سال مبارک ثابت ہو۔

ایک سیکولر ذہن رکھنے والے ساتھی نے طنزیہ کہا کہ مسلمانوں کا سال خون بہانے سے شروع ہوتا ہے اور خون بہانے پر ختم ہوتا ہے۔ فوری طور پر تو ہمیں اُس کی بات بُری لگی لیکن جب ہم نے گہرائی سے غور کیا تو ہمیں خوشی ہوئی، اسلام کی ہمہ گیریت اور اُس کا عادلانہ طرز کھل کر ہمارے سامنے آیا۔ اسلام ایک طرف ناحق خون بہانا بدترین جرم قرار دیتا ہے۔ وہ کسی غیر حربی کافر کو بلا عذر قتل کرنے اور اُس کا خون بہانے کی بھی اجازت نہیں دیتا۔ بوڑھوں، بچوں اور عورتوں سے خصوصی رویہ اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے تو دوسری طرف دینِ حق کے تحفظ اور قیام کے لیے جہاد و قتال کا سختی سے حکم دیتا ہے اور جنگ سے پیٹھ پھیرنے والوں کو عبرتناک انجام سے خبردار کرتا ہے۔ مجاہد اسلام، وہ غازی ہو یا شہید، اللہ تعالیٰ اُسے عالم اور عابد پر بھی ترجیح دیتا ہے۔ گویا مسلمان امن کا علمبردار بھی ہے اور فتنہ وفساد اور کفر و شرک کے خلاف برہنہ تلوار بھی ہے۔ آج مسلمان ذلیل و رسوا اس لیے ہے کہ وہ جہاد و قتال کی راہ ترک کر چکا ہے۔

اُسے بین المذاہب ہم آہنگی اور ابراہیم اکارڈز جیسے ڈھکوسلوں سے فریضہ جہاد کی ادائی سے دور کر دیا گیا ہے۔ ہم چاہیں گے کہ اس نئے ہجری سال میں مسلمانوں کو درپیش خطرات اور اُن کے دشمنوں کے عزائم سے کسی قدر آگاہ کریں۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا آج بارود کے ڈھیر پر کھڑی ہے اور کچھ ممالک بارود کے اس ڈھیر پر چنگاریاں پھینکنے کی منصوبہ بندی کر رہے ہیں۔ نئے ہجری سال کے آغاز پر وطنِ عزیز پاکستان کو پہلے ہی بدترین سیاسی انتشار اور بحران کا سامنا تھا جس پر تحریک انصاف کے خلاف الیکشن کمیشن کے ممنوعہ اور فارن فنڈنگ کے فیصلے نے جلتی پر تیل کا کام کیا ہے۔ ایک طرف عمران خان اور تحریک انصاف بھرپور تحریک چلا رہے ہیں کہ الیکشن کمیشن نے حکومت اور دیگر اداروں کی ملی بھگت سے جانبداری کا مظاہرہ کیا ہے اور دوسری جماعتوں کا فیصلہ نہ کر کے انصاف کا خون کیا ہے اور دوسری طرف PDM کی تمام جماعتوں نے آسمان سر پر اُٹھا رکھا ہے کہ دوسروں کو بدعنوان اور چور کہنے والا خود غیر ملکی کمپنیوں سے امداد لیتا رہا ہے جو قانون کی بدترین خلاف ورزی ہے۔ تحریک انصاف الیکشن کمیشن کے سامنے مظاہرہ کر رہی ہے اور حکومت تحریک انصاف کے خلاف عدالتی دروازہ پر دستک دے رہی ہے کہ تحریک انصاف کو کالعدم قرار دو اور عمران خان کو نااہل قرار دو۔ گویا فریقین سڑکوں پر اور عدالتوں میں ایک دوسرے کے گریبانوں کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ نہ سیلاب زدگان کی طرف حکومت اور اپوزیشن نے ضروری توجہ دی ہے، نہ اُنہیں فکر ہے کہ پاکستان دیوالیہ ہونے جا رہا ہے اور پاکستان کی بے قصور عوام مہنگائی کی آگ میں جل رہی ہے لیکن حکومت اپوزیشن کو پچھاڑنے اور اپوزیشن حکومت کو فارغ کرنے پر ساری توانائیاں خرچ کر رہی ہے۔ سیاسی مخاصمت ذاتی بلکہ جانی دشمنی میں تبدیل ہو چکی ہے اگرچہ یہ ہمارا سیاسی اور معاشی کے ساتھ ساتھ اخلاقی دیوالیہ پن بھی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہم نے پاکستان کے نظام اور اُس کی اجتماعیت کی عمارت اپنی نظریاتی بنیادوں پر کھڑی ہی نہیں کی اور یہ بے بنیاد عمارت طوفانوں اور سونامی کا مقابلہ کیا کرے یہ تو محض ہوا کے تیز جھونکوں سے لڑکھڑا جاتی ہے۔

ہم ایک عرصہ سے عرض کر رہے ہیں کہ اس عمارت کو اگر محفوظ اور مستحکم کرنا ہے تو اس کو اس کی اصل بنیادوں پر کھڑا کریں۔ ہمیں زمانے اور تاریخ سے سبق حاصل کرنا چاہیے سوویت یونین نے اپنی بنیادوں سے انحراف کیا تو بہت بڑی ایٹمی قوت ہونے کے باوجود اور جغرافیائی لحاظ سے ایک بہت بڑا ملک ہونے کے باوجود اور سائنس و ٹیکنالوجی میں سپر پاور ہونے کے باوجود صرف پون صدی میں پاش پاش ہو گیا۔ ہم پر بھی 1971ء میں عذاب کا ایک کوڑا پڑ چکا ہے۔ پاکستان دولخت بھی ہوا اور اپنے ازلی دشمن کے ہاتھوں ذلت آمیز شکست بھی ہوئی۔ یہ سب کچھ اپنی نظریاتی بنیاد یعنی اسلام سے دور ہٹ جانے کا نتیجہ تھا۔ ہم امریکہ کی غلامی کرنے کو تیار ہیں۔ ہم امیر ممالک سے ہاتھ جوڑ جوڑ کر بھیک مانگنے کو تیار ہیں۔ ہم تمام طرزِ حکومت آزما چکے ہیں لیکن ہم اسلامی نظام کی طرف بڑھنے کو تیار نہیں۔ ہم اللہ اور اُس کی کتاب کو مسجد تک محدود کر چکے ہیں۔

آیئے سال نو کے آغاز پر عزم صمیم کریں کہ ہم پاکستان کو حقیقی معنوں میں اسلامی فلاحی ریاست میں بدل دیں گے۔ ہم قرآن اور سنت کی بالادستی کو عملی طور پر قائم کریں گے۔ ہم پیٹ پر پتھر باندھ لیں گے لیکن اللہ کے سوا کسی کے آگے جھکیں گے نہیں۔ ہم نئے سال کا استقبال اس طرح کریں کہ ماضی کی غلطیاں دہرانے سے اجتناب کریں۔ ہماری دعا ہے کہ نیا سال امت مسلمہ اور پاکستان کے لیے انتہائی بابرکت ثابت ہو۔ یہ سال امت مسلمہ کے لیے اتحاد و اتفاق کا سال ثابت ہو، آمین ثم آمین! اور ہم علامہ اقبال کے اس شعر کا مصداق بن جائیں۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاکِ کاشغر

تاکہ ہم دشمنانِ اسلام کے خلاف سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جائیں اور طاغوتی قوتوں کے عزائم ناکام بنا دیں۔ امت مسلمہ کا ہر فرد خاص طور پر ہر پاکستانی مسلمان اس کو حرزِ جاں بنا لے کہ اُسے پاکستان میں نظامِ مصطفیٰ ﷺ قائم کرنا ہے۔

نفع کی تجارت

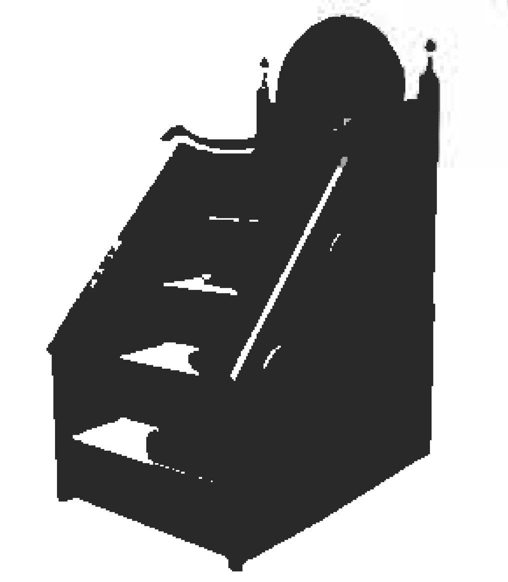

(سورۃ التوبہ کی آیت 111 کی روشنی میں)

مسجد جامع القرآن قرآن اکیڈمی DHA کراچی میں امیر تنظیم اسلامی محترم شجاع الدین شیخ حفظہ اللہ کے 29 جولائی 2022ء کے خطاب جمعہ کی تلخیص

خطبہ مسنونہ اور تلاوت آیات کے بعد!

آج ہم ان شاءاللہ سورۃ التوبہ کی آیت 111 کا مفہوم اور مختصر وضاحت سمجھنے کی کوشش کریں گے۔ اس آیت کا شان نزول مفسرین نے بیان کیا ہے۔ جب آپ ﷺ نے منیٰ کی گھاٹی میں انصار مدینہ سے بیعت عقبہ لی ہے تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ نزول کے اعتبار سے یہ آیت مکی ہے لیکن اسے سورۃ التوبہ میں شامل کیا گیا جو مدنی سورت ہے۔ ایک رائے یہ بھی ہے کہ غالباً یہ واحد مکی آیت ہے جس میں قتال کا ذکر آیا ہے ورنہ ہم جانتے ہیں کہ قتال کا حکم مدنی دور میں آیا ہے۔ اس آیت میں فرمایا:

﴿اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ط﴾ ”یقیناً اللہ نے خرید لی ہیں اہل ایمان سے ان کی جانیں بھی اور ان کے مال بھی اس قیمت پر کہ ان کے لیے جنت ہے۔“

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی شان کریمی کا اظہار فرمایا ہے اور ایک سودے کا ذکر فرمایا۔ سودا ہم کرتے ہیں یعنی تجارت، خرید وفروخت وغیرہ کیونکہ ہمیں اس کی حاجت ہے۔ اللہ تو بے نیاز ہے اسے کسی خرید وفروخت کی کوئی حاجت نہیں ہے لیکن یہ اللہ کی شان کریمی ہے کہ وہ بندوں کی ترغیب وتشویق کے لیے ایک انداز اختیار کرتا ہے۔ اسی انداز میں یہاں اہل ایمان سے ایک سودے کا ذکر اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ یہ آیت کریمہ بتارہی ہے کہ ہماری زندگیاں، صلاحیتیں اور جان ومال کی بہت بڑی قیمت ہے، یہ کوئی ایسی کم قیمت چیز نہیں ہے جسے فضول اور گھٹیا کاموں میں صرف کیا جائے۔ جو لوگ اللہ پر ایمان کے تقاضے پورے کریں گے تو اللہ کا ان سے جنت کا وعدہ ہے۔ اول تو اللہ کی شان کریمی دیکھیں کہ جو کچھ ہمارے پاس ہے یعنی جان ومال وہ سب کچھ اللہ کا ہی ہے۔

﴿لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ط﴾ (البقرہ:284) ”اللہ ہی کا ہے جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے اور جو کچھ بھی زمین میں ہے۔“

ہمارے پاس یہ جو کچھ بھی ہے یہ اللہ کی امانت ہے۔ ہم صرف امین ہیں مالک نہیں ہیں اور جب مالک نہیں تو مرضی کس کی چلے گی؟ جب کلمہ پڑھ لیا: لا الٰہ الا اللہ تو ہاتھ اٹھا دیے کہ میری مرضی نہیں بلکہ اللہ کی مرضی چلے گی جو معبود ہے لیکن آج ہم سن رہے ہیں کہ ”میرا جسم میری

مرتب: ابوابراهیم

مرضی“، Its my choice, Its my style.۔ میری مرضی، میری اونرشپ اور میں ہی ہوں والا یہ تصور اسلامی نہیں بلکہ یہ کافرانہ، باغیانہ، طاغوتی، سرکشی والا تصور ہوسکتا ہے۔ لیکن اللہ کی شان کریمی دیکھیے انسان کے پاس جو کچھ بھی ہے وہ سب اللہ کا ہی ہے لیکن اس کے باوجود وہ انسان کو ایک سودے کی آفر دے رہا ہے۔ حالانکہ اللہ کو تو کسی سودے کی حاجت نہیں لیکن پھر بھی وہ ہمیں اپنی ہی دی ہوئی نعمتوں کے بدلے ہمیں نوازنا چاہتا ہے۔

”یقیناً اللہ نے خرید لی ہیں اہل ایمان سے ان کی جانیں بھی اور ان کے مال بھی اس قیمت پر کہ ان کے لیے جنت ہے۔“

جان اللہ کی دی ہوئی ہے اگر اس کے راستے میں کھپا دی تو اس میں انسان نے کمال کیا کیا؟ کسی نے کیا خوب کہا۔

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

جامع ترمذی میں رسول اکرم ﷺ کی حدیث ہے کہ قیامت کے دن بندہ رب کے جلال کو دیکھے گا تو اسے اپنی ساری زندگی کی عبادت کی بھی کوئی حیثیت محسوس نہیں ہوگی۔ ہمارے پاس جو کچھ ہے وہ سب اسی کا دیا ہوا ہے وہ اگر قبول فرمالے تو یہ اس کی شان کریمی ہے، ہمارا کمال کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جنت عطا کروں گا۔ جنت بھی کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ بونس میں ہمیں مل جائے گی۔ محمد رسول اللہ ﷺ اولین جنتی ہیں۔ اللہ کے بعد سب سے بڑی ہستی محمد مصطفیٰ ﷺ کی ہے اور آپ ﷺ صبح وشام کے اذکار میں سات مرتبہ ((اللھم اجرنی من النار)) والی دعا مانگتے ہیں۔ ”اے اللہ مجھے آگ سے بچالے“۔ ہم آپ ﷺ کی شفاعت کی امیدیں لگائے ہوئے ہیں، دعائیں کرتے ہیں۔ جب آپ ﷺ جنت کے حوالے سے اتنے متفکر ہیں تو ہم گنہگاروں کو کتنا فکرمند ہونا چاہیے؟ انبیاء ورسل نے جنت مانگنا سکھایا۔ ہم یہ چیک کرلیں کہ پچھلے 24 گھنٹے میں ہم نے شعوری طور پر اللہ تعالیٰ سے جنت کا سوال کتنی مرتبہ کیا ہے؟ فیس بک، واٹس ایپ اور سیاسی ایشوز پر اپ ڈیٹس کے بارے میں کتنے فکرمند رہتے ہیں لیکن جنت جو سب سے بڑا مسئلہ ہے اس کے بارے میں کتنے فکرمند ہیں؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اصل کامیابی کیا ہے؟ فرمایا:

﴿فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ

فَازَ ط﴾ آلِ عمران: 185) ''تو جو کوئی بچا لیا گیا جہنم سے اور داخل کر دیا گیا جنت میں تو وہ کامیاب ہو گیا۔''

آج جنت کے موضوع کو ہلکا سمجھ لیا گیا ہے۔ حالانکہ اس کی قیمت ادا کرنا کتنا مشکل ہے اس کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ جن کے ہوتے ہوئے قرآن نازل ہوا اور اسے سمجھ کر پڑھا اُن کے نزدیک جنت کی کتنی قیمت تھی۔ سیدنا بلال ؓ کو گرم تپتی ریت پر لٹا کر سینے پر بھاری پتھر رکھا جاتا ہے اور ان سے کہا جاتا ہے: کہو کہ اللہ کے سوا اور بھی معبود ہیں اور وہ کہتے ہیں: ''احد، احد''۔ اللہ ایک ہے، اللہ ایک ہے۔ حضرت خباب بن الارت ؓ کو دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹایا جاتا ہے اور ان کی چربی کے پگھلنے کے نتیجے میں وہ دہکتے ہوئے انگارے بجھتے ہیں اور ان کی کمر جل کر سیاہ ہو جاتی ہے۔ حضرت یاسر اور حضرت سمیہ ؓ کو اذیتیں دے دے کر شہید کر دیا جاتا ہے۔ ان سب کے سامنے اللہ کے رسول ﷺ نے کوئی دنیا کی ترقی کے بہت بڑے نظارے نہیں رکھے بلکہ آپ ﷺ نے ان کو فرمایا تھا:

((اصبروا یاآل یاسرفان موعدکم الجنة))

''اے یاسر کے گھر والو! صبر کرنا بے شک تمہارے لیے جنت کا وعدہ ہے۔''

مکی دور کے تیرہ برس میں ایمان والوں کو جو چیز سب کچھ لگانے اور کھپانے کو تیار کر رہی تھی وہ اللہ کے وعدے، اور جنت کے نظارے تھے جو بار بار قرآن حکیم ان کے سامنے لا رہا تھا۔ حدیث قدسی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے ایسی چیز تیار کر رکھی ہے کہ جس کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ اس کی خوبیوں کو کسی کان نے سنا اور نہ کسی انسان کے دل پر اس کی ماہیت کا خیال گزرا۔'' (صحیح بخاری)

اللہ ہمیں یقین عطا فرمائے۔ اسی طرح اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں: آخری بندہ جو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کیا جائے گا اس کی جنت اس دنیا سے دس گنا بڑی ہوگی۔ رسول اللہ ﷺ یہ بیان کرتے ہوئے مسکرائے کہ جس بندے سے اللہ یہ فرمائے گا وہ کہے گا یا اللہ تو مجھ سے مذاق تو نہیں کر رہا، تو جہنم سے نکال رہا ہے مجھے یہ بہت بڑی نعمت ہے اور جنت کا کونہ ہی مل جائے تو بڑی بات ہے لیکن اس دنیا سے دس گنا بڑی جنت اسے ملے گی۔ یہ آخری جنتی کا معاملہ ہے پہلے والوں کی جنت کیسی ہوگی۔ لیکن یہ جنت کیسے ملے گی؟ مہینے کی تنخواہ جان کھپائے بغیر ملتی نہیں تو کیا جنت مفت میں گھر بیٹھے مل جائے گی؟ محض عمدہ بیانات سن کر ''مونڈھے'' ہلانے اور سبحان اللہ اور آمین کہنے سے مل جائے گی؟ ہرگز نہیں بلکہ:

﴿یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ قف﴾ (التوبہ: 111) ''وہ جنگ کرتے ہیں اللہ کی راہ میں، پھر قتل کرتے بھی ہیں اور قتل ہوتے بھی ہیں۔''

اللہ کی جنت کوئی فری میں مل جانے والی چیز ہرگز نہیں ہے بلکہ اس کے لیے بہت کچھ لگانا پڑے گا، بھاری قیمت چکانا پڑے گی۔ یہاں تک کہ جان کا نذرانہ پیش کرنے کا موقع آ جائے تو تب بھی پیچھے نہ ہٹے۔

آج اُمت زوال کا شکار ہے۔ کہاں ہمیں دنیا کو لیڈ کرنے کے لیے اللہ نے کھڑا کیا تھا اور آج ہمارے فیصلے کفار و مشرکین کرتے ہیں۔ ہمارا بجلی کا بل کتنا ہوگا، ہماری روزمرہ اشیاء کی قیمتیں کتنی ہونی چاہئیں یہ سب کفار طے کرتے ہیں اور ہمارے حکمرانوں کو ان کے فیصلے قبول کرنے پڑتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: ایک وقت آئے گا قومیں ایک دوسرے کو تم پر حملہ کرنے کی دعوت دیں گی جیسے دسترخوان سجا دیے جانے کے بعد کھانا کھانے کی دعوت دی جاتی ہے۔ پوچھا گیا یا رسول اللہ ﷺ! کیا ہماری تعداد کم ہوگی؟ فرمایا: تمہاری تعداد تو بہت زیادہ ہوگی۔ لیکن تمہارے اندر وھن پیدا ہو جائے گا۔ پوچھا گیا: وھن کیا ہے؟ فرمایا: ''دنیا کی محبت اور موت سے نفرت''۔

کیا آج ہم مرنے کے لیے تیار ہیں؟ یہ قرآن اللہ نے ہمارے لیے نازل کیا تھا، ہم نے اس کے کتنے احکام مانے؟ رسول اللہ ﷺ سے محبت کے دعوے تو بڑے ہیں لیکن

پریس ریلیز 5 اگست 2022ء

5 اگست: کشمیر کی تاریخ کا ایک اور سیاہ دن

شجاع الدین شیخ

5 اگست کشمیر کی تاریخ کا ایک اور سیاہ دن ہے۔ یہ بات تنظیم اسلامی کے امیر شجاع الدین شیخ نے ایک بیان میں کہی۔ اُنھوں نے کہا کہ تقسیم ہند کے فوراً بعد بھارت نے تمام طے شدہ ضابطوں کو پامال کرتے ہوئے کشمیر پر غاصبانہ قبضہ کر لیا تھا لیکن جب غیور قبائلی مجاہدین کشمیر کی طرف بڑھے تو اپنی شکست کو نوشتہ دیوار سمجھ کر بھارت نے سلامتی کونسل سے استصواب رائے کی قرارداد منظور کروالی۔ بھارت آغاز میں استصواب رائے کے حوالے سے ٹال مٹول سے کام لیتا رہا لیکن بعد ازاں مکمل طور پر مُکر گیا۔ اور اپنے آئین میں 370 اور A-35 داخل کر کے کشمیر کو خصوصی حیثیت دینے کا ڈراما رچالیا۔ لیکن بھارت اِس نمائشی خصوصی حیثیت کو بھی زیادہ دیر برداشت نہ کر سکا اور 5 اگست 2019ء کو اپنے آئین کے آرٹیکل 370 اور A-35 کو ختم کر دیا جس سے مقبوضہ کشمیر کی خصوصی حیثیت بھی مکمل طور پر ختم ہوگئی اور پھر اس خوف سے کہ کشمیری اپنے ردِعمل کا اظہار کریں گے کشمیر کو ایک بڑی جیل میں تبدیل کر دیا اور کشمیریوں پر ہونے والا ظلم وتشدد بدترین صورت اختیار کر گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اپنے ہر کیے ہوئے وعدہ سے منحرف ہونے کی بھارتی داستان صاف ظاہر کرتی ہے کہ وہ کسی صورت کشمیر کے عوام پر اپنے ناجائز تسلط کو ختم کرنے کو تیار نہیں بلکہ اسے دوام دینے کے درپے ہے۔ اُنھوں نے کہا کہ دنیا بھر میں انسانی حقوق کے علمبردار کہلانے والے مغربی ممالک اور بین الاقوامی ادارے بھارت کے 5 اگست کے سفاکانہ اقدامات کے نہ صرف حامی بلکہ اس ظلم میں اُس کے شراکت دار بھی بن چکے ہیں اور بھارت کے اس غیر انسانی اور بین الاقوامی قوانین کے سراسر خلاف طرزِ عمل کو رد کرنا تو دور کی بات ہے زبان سے بھی اُس کی مذمت کرنے پر تیار نہیں۔ اُنھوں نے کہا کہ افسوس کا مقام ہے کہ عالم اسلام کے اکثر ممالک بھارت سے تجارتی اور سفارتی مفادات کی توقع میں مظلوم کشمیریوں کی بجائے بھارت کے حامی نظر آتے ہیں۔ اُنھوں نے کہا کہ کشمیری ''پاکستان سے رشتہ کیا لا الٰہ الا اللہ'' کا نعرہ لگاتے ہیں اگر پاکستان میں عملی طور پر لا الٰہ الا اللہ نافذ ہو جائے تو کشمیریوں میں ایسا جوش اور ولولہ پیدا ہوگا کہ دنیا کی کوئی طاقت کشمیر کی آزادی کو روک نہیں سکے گی۔ ان شاء اللہ! (جاری کردہ: مرکزی شعبہ نشرو اشاعت، تنظیم اسلامی، پاکستان)

کیا ہم نے آپ ﷺ کی اطاعت کی؟ کیا ہم نے جنت کے لیے اپنی جانوں کا سودا کیا ہے؟ اللہ تو فرماتا ہے کہ:

''وہ جنگ کرتے ہیں اللہ کی راہ میں' پھر قتل کرتے بھی ہیں اور قتل ہوتے بھی ہیں۔''

یہ highest level کا تقاضا ہے اس جنت کے لیے۔ یعنی کہ اس سے نیچے کے تمام تقاضے بھی پورے کرنے ہوں گے تب جا کر جنت ملے گی۔ نماز کا تقاضا ہے تو کھڑے ہو جاؤ نماز کے لیے، زکوٰۃ کا تقاضا ہے تو ادا کرو، روزے کا تقاضا ہے تو اس کو رکھو، حرام سے بچنے کا تقاضا ہے تو حرام چھوڑو، سود چھوڑنے کا تقاضا ہے تو سود کو چھوڑو، حلال کمانے کا تقاضا ہے تو حلال پر اکتفا کرو۔ اسی طرح انفرادی و اجتماعی زندگی کے ہر گوشے میں دین پر عمل ہو۔ سب سے پہلے اپنی ذات پر اسلام کو نافذ کرنا، پھر اپنے گھر والوں اور عزیز رشتہ داروں کو دین کی دعوت دینا، پھر اقامت دین کی جدوجہد میں عملاً حصہ لینا، یہ سب دین کے تقاضے ہیں۔ یہاں تک کہ اللہ کے دین کے لیے جان کا نذرانہ پیش کرنا پڑے تو اس سے بھی پیچھے نہ ہٹا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے نہ کبھی کسی غزوہ میں شرکت کی اور نہ اس کے دل میں تمنا تھی کہ میں راہ خدا میں شہید ہو جاؤں اور اس حال میں اس کو موت آ گئی تو یہ ایک طرح کے نفاق میں دنیا سے جا رہا ہے۔ (صحیح مسلم)

اللہ اکبر، حضور ﷺ نے دعا فرما کر امت کو تعلیم دی ہے: ((اللھم الطھر قلبی من النفاق)) ''اے اللہ! میرے دل کو نفاق سے پاک کر دے۔'' اگر حضور ﷺ یہ دعائیں کر رہے ہیں تو ہمیں نفاق کے مرض کے بارے میں کتنا فکرمند ہونا چاہیے۔ آگے فرمایا:

﴿وَعۡدًا عَلَيۡهِ حَقًّا فِي ٱلتَّوۡرَىٰةِ وَٱلۡإِنجِيلِ وَٱلۡقُرۡءَانِۚ﴾ (التوبہ: 111) ''یہ وعدہ اللہ کے ذمے ہے سچا' تورات' انجیل اور قرآن میں۔''

یہ وعدے اللہ نے تورات میں بھی دیے۔ آج بھی کتاب الخروج اور Book of Exdodus میں یہ بات موجود ہے کہ اپنی جان سے بڑھ کر اپنے رب سے محبت کرو اور اپنی جان کو اپنے رب کی خاطر لگانے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ اسی طرح متی کی انجیل میں لکھا ہے کہ جو اپنے گھر بار کو رب کی خاطر چھوڑے گا اللہ اسے ہمیشہ کی زندگی عطا فرمائے گا۔ قرآن مجید میں یہی بات اس انداز سے بیان ہوئی:

﴿وَلَا تَقُولُواْ لِمَن يُقۡتَلُ فِي سَبِيلِ ٱللَّهِ أَمۡوَٰتُۢۚ بَلۡ أَحۡيَآءٞ وَلَٰكِن لَّا تَشۡعُرُونَ ۝١٥٤﴾ (البقرہ) ''اور مت کہو ان کو جو اللہ کی راہ میں قتل ہو جائیں کہ وہ مردہ ہیں۔ (وہ مردہ نہیں ہیں) بلکہ زندہ ہیں' لیکن تمہیں اس کا شعور نہیں ہے۔''

سورۃ التوبہ میں آگے فرمایا:

﴿وَمَنۡ أَوۡفَىٰ بِعَهۡدِهِۦ مِنَ ٱللَّهِۚ فَٱسۡتَبۡشِرُواْ بِبَيۡعِكُمُ ٱلَّذِي بَايَعۡتُم بِهِۦۚ وَذَٰلِكَ هُوَ ٱلۡفَوۡزُ ٱلۡعَظِيمُ ۝١١١﴾ ''اور اللہ سے بڑھ کر اپنے عہد کو وفا کرنے والا کون ہے؟ پس خوشیاں مناؤ اپنی اس بیع پر جس کا سودا تم نے اس کے ساتھ کیا ہے۔ اور یہی ہے بڑی کامیابی۔''

اللہ تو سچا ہے۔ دو مرتبہ قرآن پاک میں آیا:

﴿وَمَنۡ أَصۡدَقُ مِنَ ٱللَّهِ قِيلٗا ۝١٢٢﴾ (النساء) ''اور کون ہے جو اللہ سے بڑھ کر اپنی بات میں سچا ہو سکتا ہے؟''

﴿وَمَنۡ أَصۡدَقُ مِنَ ٱللَّهِ حَدِيثٗا ۝٨٧﴾ (النساء) ''اور اللہ سے بڑھ کر اپنی بات میں سچا کون ہوگا؟''

جو کچھ ہمارے سامنے ہے اس میں امکانات ہوتے ہیں شورٹی نہیں ہوتی۔ ہم مہینہ بھر اس وعدے پر محنت کرتے ہیں کہ یکم کو پیمنٹ مل جائے گی۔ مگر یہ بھی تو ہو سکتا ہے اس سے پہلے ہی میری موت ہو جائے، کمپنی دیوالیہ ہو جائے، کچھ بھی تو ہو سکتا ہے۔ لیکن اللہ کا وعدہ پورا نہ ہونے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ وہاں مکمل شورٹی ہے۔ یہاں ہمارے لیے سوچنے کی بات یہ ہے کہ غیر یقینی باتوں پر ہمارا کتنا عمل ہے اور جس چیز کا یقین اللہ ہمیں دلا رہا اس کے لیے کتنی محنت کر رہے ہیں؟ سادہ سی بات کسی نے سادہ انداز میں سمجھا دی کہ جتنا دنیا میں رہنا ہے اتنی دنیا کی فکر کرو اور جتنا آخرت میں رہنا ہے اتنی آخرت کی فکر کرو۔ دنیا میں کتنے سال زندہ رہنا ہے کوئی یقین سے نہیں کہہ سکتا مگر زیادہ سے زیادہ 70 یا 80 سال، اس کے بعد جانا تو آخرت کی طرف ہی ہے اور آخرت دائمی ہے۔

﴿وَإِنَّ ٱلدَّارَ ٱلۡأٓخِرَةَ لَهِيَ ٱلۡحَيَوَانُۚ﴾ العنکبوت: 64) ''اور آخرت کا گھر ہی یقیناً اصل زندگی ہے۔!''

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: تم میں سے کوئی شخص اپنی انگلی سمندر میں ڈالے اور نکال کر دیکھے کہ کتنا پانی لگ کر آیا ہے۔ یہ جو انگلی پر پانی لگا ہے یہ دنیا ہے اور حد نگاہ تک پھیلا ہوا سمندر آخرت ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ فرما رہے ہیں: عقل مند وہ ہے جو اپنے آپ کو قابو میں رکھے اور عمل کرے اس زندگی کے لیے جو موت کے بعد آنے والی ہے۔ اس سے بڑی کوئی عقل مندی نہیں ہے۔ آگے فرمایا:

﴿فَٱسۡتَبۡشِرُواْ بِبَيۡعِكُمُ ٱلَّذِي بَايَعۡتُم بِهِۦۚ﴾ ''پس خوشیاں مناؤ اپنی اس بیع پر جس کا سودا تم نے اس کے ساتھ کیا ہے۔''

اسی سے لفظ بیعت ہمارے ہاں استعمال ہوتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کے دور سے ہمیں مختلف بیعتوں کا تصور ملتا ہے۔ اسی سے دینی جماعت بنانے اور چلانے کے لیے بھی بیعت کا تصور اخذ کیا جاتا ہے۔ اس حوالے سے بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے USA میں نظم جماعت میں بیعت کی اہمیت کے عنوان سے ایک خطاب کیا تھا جو کتابی شکل موجود ہے، اس میں تفصیلات مل سکتی ہے۔ الحمدللہ! ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے اسی سنت رسول ﷺ کی پیروی کرتے ہوئے بیعت کی بنیاد پر تنظیم اسلامی قائم فرمائی اور آج بھی تنظیم بیعت ہی کی بنیاد پر قائم ہے۔ بہر حال قرآن حکیم میں مختلف بیعتوں کا تذکرہ ہے، سورۃ الفتح میں بیعت رضوان اور سورۃ الممتحنہ میں خواتین کی بیعت کا ذکر ملتا ہے۔ پھر احادیث اور سیرت کی کتابوں میں رسول اللہ ﷺ کے واقعات ملتے ہیں اور خلفائے راشدین کی بیعت کا تصور ملے گا۔ سیدنا حسین ؓ کی تحریک بھی بیعت کی بنیاد پر برپا ہوئی تھی۔ امت کی چودہ صدیوں سے دینی اجتماعیت قائم کرنے حتیٰ کہ خلافت کے انعقاد کے لیے بھی بیعت کا ہی تصور ہمیں ملتا ہے۔ آخر میں فرمایا:

﴿وَذَٰلِكَ هُوَ ٱلۡفَوۡزُ ٱلۡعَظِيمُ ۝١١١﴾ ''اور یہی ہے بڑی کامیابی۔''

ہم نے مرنے کے بعد بندوں کو جواب نہیں دینا، اپنے رب کو جواب دینا ہے اور رب اس کو کامیابی کہتا ہے جو آخرت میں کامیاب ہو گیا۔ باقی بادشاہ کے محل سے جنازہ اٹھے یا غریب کی جھونپڑی سے نکلے لیکن جائے گا وہ دو فٹ نیچے قبر کے اندھیرے گڑھے میں ہی، جہاں کوئی بھی ساتھ نہیں ہوگا۔ وہاں جا کر پتا چلے گا کون کامیاب ہوا، کون ناکام ہوا۔ لیکن اللہ کے دین کے لیے اپنی جان، مال اور صلاحیتیں کھپائی ہیں اور اللہ نے انہیں قبول کر لیا تو یہی سب سے بڑی کامیابی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کا یقین اور اس کے لیے محنت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

استحکام پاکستان

بانیٔ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کی نگارشات کی روشنی میں

[اِس مضمون کی تیاری میں محترم ڈاکٹر صاحب کی گراں قدر تصنیف ''استحکام پاکستان'' اور اُن کے اُس طویل خطاب سے مدد لی گئی ہے جو انہوں نے 18 فروری 2007ء کو کنونشن سنٹر، اسلام آباد میں دیا تھا، جس میں علامہ اقبال، قائداعظم اور نظریۂ پاکستان اور اس نظریے سے انحراف کے نتائج پر تفصیل سے روشنی ڈالی تھی۔ کتاب ''استحکامِ پاکستان'' میں وہ مضامین شامل ہیں جو اَسی کی دہائی میں خطاباتِ جمعہ اور عام تقاریر میں بیان ہوئے تھے۔ یہ دراصل ''استحکام پاکستان'' کے خصوصی حوالے سے ان بیانات وخطابات کی تلخیص ہے، خود محترم ڈاکٹر صاحب کے اپنے الفاظ ہیں:]

استحکام پاکستان کی ٹھوس بنیاد

ہمارے غور وفکر کا اصل مرکز ومحور یہ سوال ہو گا کہ پاکستان کے استحکام کے لیے حقیقتاً اور واقعتاً ٹھوس بنیاد کونسی ہے، جسے مضبوط کرنے سے پاکستان مستحکم ہو جائے اور اپنے وجود اور سالمیت کے خلاف جملہ داخلی اور خارجی حملوں کے مقابلے میں اپنا موثر دفاع کر سکے۔ یہ سوال ظاہر ہے کہ صرف دینی اور مذہبی نقطۂ نگاہ ہی سے اہم نہیں ہے، بلکہ خالص مادی اور دنیوی اعتبار سے بھی نہایت اہم ہے......تو آیئے، سب سے پہلے اِس بات پر غور کریں کہ بالعموم ملکوں کو کن کن جہتوں سے تقویت ملتی ہے اور کن کن عوامل کی بناء پر استحکام حاصل ہوتا ہے اور ان میں سے کون کون سے عوامل ہمیں پاکستان کے استحکام کے لیے دستیاب ہیں، جنہیں مزید تقویت دے کر ہم پاکستان کو مستحکم کر سکتے ہیں۔

1۔ تاریخی عامل:

اوّلین عامل کو ''تاریخی عامل'' کے نام سے موسوم کیا جا سکتا ہے، یعنی یہ کہ اگر کوئی ملک عرصۂ دراز سے ایک ہی نام اور ایک ہی سے حدودِ اربعہ کے ساتھ قائم ہو تو اُس نام اور اُن حدود کو ایک گونہ تاریخی تقدس حاصل ہو جاتا ہے اور یہ اُس کی تقویت کا موجب اور اُس کے استحکام کا سبب بن جاتا ہے، اور اگر کبھی اس پر بحیثیت مجموعی یا اُس کے کسی علاقے پر جزوی طور پر کوئی دوسرا ملک قبضہ کر لیتا ہے، تب بھی نہ اُس کا نام بدلتا ہے نہ دنیا یہ تسلیم کرتی ہے کہ وہ علاقہ اب اُس ملک کا حصہ نہیں رہا بلکہ قابض ملک کا جز بن گیا ہے۔ مثال کے طور پر جب سے دنیا کی تاریخ انسان کے علم میں ہے، اُسی وقت سے چین نامی ملک بھی دنیا میں موجود ہے اور اُس کا نام بھی ہمیشہ سے یہی چلا آ رہا ہے اور اُس کی حدود بھی ہمیشہ تقریباً یہی رہی ہیں۔

ظاہر ہے کہ یہ تاریخی عامل اور یہ تاریخی تقدس پاکستان کو حاصل نہیں ہے، اور اِس نام اور ان حدود کے ساتھ تاریخ انسانی میں کبھی کوئی ملک موجود نہیں رہا، بلکہ پاکستان کا تو لفظ آج سے پچاس سال قبل تک دنیا کی کسی لغت میں موجود ہی نہیں تھا......حقیقت یہ ہے کہ پاکستان کے استحکام کے لیے ''تاریخی تقدس'' کی قسم کا کوئی عامل موجود نہیں ہے۔ اِس ضمن میں مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کا وہ قول دلچسپ بھی ہے اور عبرت انگیز بھی، جو حال ہی میں پاکستان کے بزرگ صحافی میاں محمد شفیع نے ایک روزنامے کے کالموں میں نقل کیا ہے، یعنی یہ کہ ''پاکستان کے معاملے کو ہندوستان پر قیاس نہ کیا جائے۔ ہندوستان ایک ملک ہے، اِس کے حالات کتنے بھی خراب ہو جائیں۔ بہر حال یہ موجود رہے گا، جبکہ پاکستان ایک ''تجربہ'' ہے جو اگر ناکام ہو گیا تو پاکستان کا نام ونشان مٹ جائے گا''۔ میرے نزدیک اگر یہ روایت دُرست ہے تو مولانا مرحوم نے ہندوستان اور پاکستان کے درمیان جس فرق کی نشان دہی کی ہے، وہ اسی تاریخی عامل پر مبنی ہے۔

2۔ جغرافیائی عامل:

کسی ملک کو تقویت دینے والا دوسرا عامل جغرافیائی ہے۔ سب جانتے ہیں کہ اگر کسی ملک کی سرحدیں فطری جغرافیائی حدود کی صورت میں ہوں تو اس سے بھی ملک کو ایک گونہ حفاظت حاصل ہوتی ہے، جو اُس کے استحکام کی موجب اور اُس کے دفاع میں ممد ومعاون ہوتی ہے......
موجودہ پاکستان کا حال یہ ہے کہ اسے کسی طبعی اور فطری سرحدوں کا تحفظ کسی درجے میں حاصل ہے بھی تو وہ شمال، جنوب اور مغرب میں ہے، یعنی شمال میں کوہ ہمالیہ اور کوہ قراقرم، جنوب میں سمندر اور مغرب میں کوہ سلیمان کا پہاڑی سلسلہ۔ جہاں تک اِس کی طویل مشرقی سرحد کا تعلق ہے، جدھر سے اسے سب سے زیادہ تحفظ کی ضرورت ہے، اُدھر کسی فطری وطبعی سرحد کا نشان تک موجود نہیں۔ چنانچہ پنجاب کا میدان اِس طرح کاٹا گیا ہے، جیسے کیک کاٹا جاتا ہے اور اگر خاردار تاروں کی کوئی باڑ موجود نہ ہو تو معلوم ہی نہیں ہو سکتا کہ کہاں ایک ملک ختم ہو گیا اور دوسرا شروع ہو گیا۔ رہا سابق ریاست بہاول پور اور پھر سندھ کے ریگزار اور صحرا کا تعلق تو اُس کے ٹیلے تو خود ہی اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر آتے جاتے رہتے ہیں۔ وہ کیا نشان بنیں گے اور کیا حفاظت کریں گے۔ الغرض، جغرافیہ بھی ہمارا پُشت پناہ نہیں ہے، بلکہ ہمارے خلاف ہے۔

3۔ انسانی جذبہ:

ملکوں کو مستحکم کرنے والے تیسرے عامل کو ''انسانی جذبہ'' کے نام سے موسوم کیا جا سکتا ہے اور اِس میں ہرگز کوئی شک نہیں کہ اگر کسی ملک یا خطۂ ارضی کے رہنے والے انسانوں میں کوئی حقیقی اور واقعی جذبہ پیدا ہو جائے تو یہ تاریخ کو بھی شکست دے سکتا ہے اور جغرافیے سے بھی لڑ سکتا ہے، اس لیے انسان واقعتاً اشرف المخلوقات ہے اور قدرت نے اس میں بے پناہ قوتیں اور توانائیاں ودیعت کر رکھی ہیں۔ اگر ذرا دقتِ نظر سے جائزہ لیا جائے تو انسانی جذبے کی دو ہی قسمیں نظر آئیں گی۔ ایک قوم پرستانہ جذبہ اور دوسرا مذہبی جذبہ۔ ان میں سے بھی اگرچہ تاریخ اِنسانی کے عظیم ترین معجزے تو مذہبی جذبے ہی کے تحت رونما ہوئے ہیں، تاہم کچھ اس بناء پر کہ موجودہ دنیا میں یہ جذبہ بالعموم کمزور ہی نہیں، معدوم کے درجے میں آ گیا ہے۔ یہاں ہم پہلے قوم پرستانہ جذبے اور اُس کی اقسام کا جائزہ لیتے ہیں:

1۔ نسلی قوم پرستی:

قوم پرستی (نیشنلزم) کی اقسام کا جائزہ لیا جائے تو سب سے پہلے یہ حیران کن حقیقت سامنے آتی ہے کہ موجودہ دنیا میں تمام تر علمی وسائنسی ترقی اور ذہنی وفکری

ترفع کے باوجود نسل پرستانہ قومیت کا جذبہ سب سے زیادہ طاقتور اور موثر ہے۔ عہدِ حاضر میں اِس کی دو نمایاں ترین مثالیں جرمن نیشنلزم اور یہودی نسل پرستی کی صورت میں موجود ہیں...... یہ بات جو دنیا میں بالعموم کہی جاتی ہے کہ موجودہ دنیا کے دو ملک مذہب کی بنیاد پر قائم ہوئے ہیں، ایک پاکستان اور دوسرا اسرائیل۔ تو یہ درحقیقت اسرائیل کی نسل پرستی کو چھپانے کا نہایت شاطرانہ انداز ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ خالص مذہب کی بنیاد پر دنیا میں صرف ایک ہی ملک قائم ہُوا ہے اور وہ ہے پاکستان۔ اسرائیل کی اساس مذہب پر نہیں، نسل پرستی پر ہے اور ''صیہونیت'' اصلاً ایک دینی اور مذہبی تحریک نہیں، بلکہ نسل پرستانہ تحریک ہے اور اسرائیل خالص نسل پرستانہ ملک ہے۔

بے شک نظری طور پر نسل پرستی کی بنیاد پر بھی ایک نہایت طاقتور جذبہ وجود میں آ سکتا ہے، لیکن (الحمدللہ کہ) پاکستان میں نسلی قومیت کے لیے کوئی اساس موجود نہیں ہے، اس لیے کہ برصغیر پاک و ہند نسلی اعتبار سے غالباً پوری دنیا میں سب سے بڑی کھچڑی (بلکہ حلیم!) کی حیثیت رکھتا ہے، اور ظاہر ہے کہ اُسی کا ایک خلاصہ اِس وقت پاکستان میں موجود ہے۔ چنانچہ ہمارے یہاں دراوڑی لوگ بھی موجود ہیں (جیسے بلوچستان کے برہوی قبائل) اور آریائی نسل سے تعلق رکھنے والے بھی موجود ہیں۔ اسی طرح منگول بھی ہیں اور سامی النسل بھی۔ بلوچ بھی ہیں اور افغان بھی، حتیٰ کہ شمالی علاقہ جات میں شین بھی ہیں اور بلتی بھی۔ الغرض، یہاں کسی ایک نسل کے لوگ ایسی غالب اکثریت میں موجود نہیں ہیں کہ نسلی قوم پرستی کی بنیاد پر ملک کے استحکام کی توقع کی جا سکے۔

(ب) لسانی قوم پرستی:

نسلی قوم پرستی کے بعد موجودہ دنیا میں سب سے زیادہ طاقتور قومی جذبہ لسانی قوم پرستی کی صورت میں نظر آتا ہے۔ اس کی بھی دو مثالیں قابلِ توجہ ہیں۔ ایک عرب نیشنلزم اور دوسری بنگلہ نیشنلزم۔ عرب نیشنلزم جو ماضیٔ قریب میں عالمِ عرب میں ایک زبردست قوّت کی حیثیت سے موجود رہا ہے، اصلاً ایک لسانی نیشنلزم ہے، اس لیے کہ اس کی اساس نہ مذہب پر ہے نہ نسل پر، بلکہ صرف اور صرف زبان پر ہے۔ چنانچہ اس کے حلقہ بگوش اور علم بردار صرف مسلمان ہی نہیں رہے ہیں بلکہ دانشوروں کی سطح پر اس میں زیادہ بھاری پلڑا عیسائیوں کا رہا ہے، حتیٰ کہ یہودی بھی اس میں شریک رہے ہیں۔

اسی طرح پاکستان کے عدمِ استحکام اور دولخت ہونے میں جہاں منفی طور پر اولاً بے مقصدیت اور بے یقینی کے خلاء، اور بعد ازاں مارشل لاء کے ردِّعمل کو دخل حاصل ہے، وہاں مثبت طور پر جو ہتھیار سب سے زیادہ کارگر اور جو وار سب سے بڑھ کر کاری ثابت ہُوا، وہ بنگلہ نیشنلزم کا تھا جس کی اساس بنگلہ زبان پر قائم کی گئی تھی...... پاکستان کی زندگی کے پہلے پچیس برسوں کے دوران جہاں ایک بے یقینی اور بے مقصدیت کا خلاء مہیب سے مہیب تر ہوتا چلا گیا اور قومی و ملّی سطح پر ضعف بڑھتا چلا گیا، وہاں مشرقی پاکستان میں بنگلہ زبان، بنگلہ ادب، بنگلہ تہذیب اور بنگلہ ثقافت کے حوالے سے بنگلہ نیشنلزم قدم جماتا چلا گیا اور بالآخر اس کے منطقی نتیجے کے طور پر بنگلہ دیش وجود میں آ گیا۔

زبان کا اشتراک لوگوں کو ایک دوسرے سے قریب لانے اور اُن میں یگانگت پیدا کرنے میں نسلی اشتراک سے بھی زیادہ موثر اور سریع الاثر ہے، اس لیے کہ نسلی اشتراک کا تعلق اصلاً ماضی اور اُس کی روایات سے ہوتا ہے، جبکہ لسانی اشتراک فی الفور محسوس اور مشہود ہوتا ہے اور اپنی مادری زبان میں انسان اپنے جذبات و احساسات کا اظہار جس بے تکلفی سے اور جس بھرپور انداز میں کر سکتا ہے، کسی دوسری زبان کو خواہ وہ کتنا بھی سیکھ لے اور اُس میں کتنی بھی مہارت حاصل کر لے، اُس میں جذبات کے اظہار کی وہ کیفیت کبھی پیدا نہیں ہو سکتی۔ بنا بریں لسانی اشتراک اجتماعیات انسانیہ میں ''عصبیت'' پیدا کرنے میں بہت دخیل اور موثر ہے...... اِس اعتبار سے دیکھا جائے تو اگرچہ پاکستان میں وہ واحد زبان جو اِس کے ہر حصے میں بولی اور سمجھی جاتی ہے، صرف اور صرف اُردو ہے، تاہم اِس کا عمل دخل اتنا بہرحال نہیں ہے کہ اُسے ایک لسانی قومیت کی بنیاد بنایا جا سکے، اور بنگلہ زبان کا مسئلہ ختم ہو جانے کے بعد موجودہ پاکستان میں کم از کم ایک زبان ایسی موجود ہے جو کسی بھی طور سے اردو کی بالادستی کو تسلیم کرنے پر تیار نہیں۔ ہماری مراد سندھی زبان سے ہے جس کی اساس پر سندھی نیشنلزم، ہو بہو بنگلہ نیشنلزم کے خطوط پر پروان چڑھ رہا ہے۔ الغرض ہمارے پاس آل پاکستان اساس پر کسی لسانی قومیت سے پیدا شدہ جذبۂ عمل تو درکنار، قومی زبان کے مسئلے کا حل بھی موجود نہیں ہے۔

(ج) وطنی قومیت:

وطن کی اساس پر قومیت کی تشکیل کا تصور زیادہ پُرانا نہیں ہے اور اسے عہدِ جدید کی پیداوار قرار دینا غلط نہ ہوگا۔ تاہم اِس وقت عالمی سطح پر کم از کم نظری اور دستوری و قانونی اعتبار سے سب سے زیادہ چرچا اور سب سے بڑھ کر رواج اِسی کا ہے۔ منطقی اعتبار سے یہ بات بڑی وزنی نظر آتی ہے کہ اگر کسی ملک کے رہنے والوں میں اپنے وطن سے قلبی محبت کا جذبہ پیدا ہو جائے تو یہ اُن کے احساسات و جذبات میں یک رنگی و ہم آہنگی اور فکر و عمل میں اتحاد اور یک جہتی کی بنیاد بن جائے گا، اور اس کے زیرِ اثر رنگ و نسل، عقیدہ و مذہب اور زبان و ثقافت کا فرق و امتیاز، جو ملکوں اور قوموں کی کمزوری کا باعث بنتا ہے، اگر بالکل ختم نہیں ہوگا تو کم از کم غیر اہم ضرور ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ عہدِ حاضر میں قومیت کے تعین کے ضمن میں وطن ہی کو تقریباً متفقہ طور پر اساس تسلیم کر لیا گیا ہے...... پاکستان میں کسی قوم پرستانہ جذبے کی پیدائش اور نشوونما کے لیے نہ اشتراکِ نسل کی بنیاد موجود ہے نہ اشتراکِ زبان کی۔ بالفعل ''وطنی قومیت'' صرف ملکی دستور میں شہریت کی اساس اور پاسپورٹوں پر قومیت کے اندراج کے طور پر کام آتی ہے اور اس نے کسی موثر قوم پرستی کی صورت کہیں بھی اختیار نہ کی۔ اس کی تین وجوہ ہیں:

پہلی وجہ: دو قومی نظریہ:

پاکستان دو قومی نظریے کی اساس پر وجود میں آیا تھا، جو وطنی قومیت کے نظریے کی کامل نفی کی حیثیت رکھتا ہے۔ تو کیسے ممکن ہے کہ کوئی ملک قائم تو ہو کسی نظریے کی کامل نفی کی اساس پر اور پھر اُس کے استحکام کے لیے وہی نظریہ جڑ بنیاد کا کام دے سکے۔ وطنی قومیت کا نظریہ قیامِ پاکستان کی نفی ہے اور اس کے فروغ سے پاکستان کی جڑیں مزید کھوکھلی تو ہو سکتی ہیں، مضبوط نہیں ہو سکتیں۔

دوسری وجہ: مسلمانوں کی طبعی ساخت:

دوسری نہایت اہم وجہ ہے کہ مسلمان خواہ وہ باعمل ہو، خواہ بے عمل، بہرحال اُس کے مزاج کی ایک مستقل ساخت ہے، اور اُس کی طبیعت کی ایک خاص افتاد ہے، جس میں زمین کی پرستش اور وطن کے تقدس کے تصور کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ گویا اُس کی شخصیت کا خمیر جس مٹی سے اُٹھا ہے، اُس میں حُبِ وطن کا مادہ تو ہو سکتا ہے، ''وطن پرستی'' کا امکان نہیں۔ پروفیسر مرزا محمد منور اِس حقیقت کو اِن خوبصورت الفاظ سے تعبیر کیا کرتے ہیں کہ ہندو کلچر زمین میں گڑا ہُوا اور زمین سے بندھا ہُوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کے یہاں زمین ''دھرتی ماتا'' کی حیثیت رکھتی ہے اور ''بھارت کی جے'' کے نعرے سے اُن کے جذبات میں اُبھار اور احساسات میں ارتعاش پیدا ہو جاتا ہے، جبکہ مسلمانوں کے دل میں زمین کے مقدس یا دیوتا ہونے کا کوئی تصور موجود نہیں ہے بلکہ اس کا مزاج ''آفاقی'' ہے اور اُس کے جذبات میں گرمی اور احساسات میں ہلچل ''اللہ اکبر'' کے نعرے سے ہوتی ہے...... اِس معاملے میں برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں

کو زیادہ ہی خصوصیت حاصل ہے اور ان کا مزاج کچھ زیادہ ہی آفاقی ہے۔ اس کا ایک ممکنہ سبب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ چونکہ یہاں کوئی دوسری نسلی یا لسانی عصبیت ایسی موجود نہیں تھی جو انہیں ایک دوسرے سے باندھ سکتی، لہٰذا اپنی شیرازہ بندی کے لیے اُنہیں مذہب کی قوت ماسکہ پر دوسرے علاقوں کے مسلمانوں کے مقابلے میں زیادہ ہی انحصار کرنا پڑا اور چونکہ اسلام ایک علاقائی مذہب نہیں، بلکہ آفاقی اور عالمی مذہب ہے، لہٰذا اُن میں ''آفاقیت'' دوسروں کے مقابلے میں زیادہ ہی سرایت کرگئی۔

تیسری وجہ: تقسیم در تقسیم کا اندیشہ:

اگر زمینی تعلق ہی کو قومی جذبے کی بنیاد بنانے پر زور دیا جائے تو اِس سے اتحاد نہیں، انتشار وجود میں آئے گا، اس لیے کہ یہ نظریہ ایک ایسے حیوان کے مانند ہے جو اپنے دُشمن کو خود اپنے ہی دودھ سے پالتا ہے۔ چنانچہ ''وطنی قومیت'' ہی کے بطن سے ''علاقائی قومیتیں'' جنم لیتی ہیں اور اُسی کی چھاتیوں سے دودھ پی کر پروان چڑھتی ہیں۔ اس ضمن میں بھارت کا معاملہ اگرچہ پاکستان سے قدرے مختلف ہے کہ لفظ بھارت بھی کئی ہزار سال پُرانا ہے اور ''مہابھارت'' تصور بھی نہایت قدیم ہے، جبکہ ''پاکستان'' کا تو نام ہی حادثِ محض ہے، اس کے باوجود ''وطنی قومیت'' کے نظریے میں تقسیم در تقسیم کے جو بیج بالقوہ موجود ہوتے ہیں، اُس کا نقشہ بھارت میں بھی نظر آ رہا ہے اور علاقائی قومیتیں اور مقامی عصبیتیں نسلی اور لسانی عوامل سے مزید تقویت پا کر نہایت تیزی اور تندی کے ساتھ سر اُٹھا رہی ہیں اور بھارتی قیادت کو اپنی ملکی وحدت و سالمیت کو برقرار رکھنے کے لیے پیہم و مسلسل اور شدید و جاں گسل محنت کرنی پڑ رہی ہے۔ اِس پس منظر میں دیکھا جائے تو پاکستان کا معاملہ بے حد نازک اور کمزور ہے، اس لیے کہ پاکستان کا تو تصور بھی پچاس سال سے زیادہ کی تاریخ نہیں رکھتا، اور کم از کم اِس نام کے ساتھ کسی سیاسی وحدت اور اُس کی عظمت و سطوت کی کوئی تاریخ موجود نہیں، لہٰذا اگر اِس کی اساس پر وطنی قومیت کا راگ الاپا گیا تو اصل تقویت سندھی، بلوچی، پختون اور پنجابی قومیتوں کو حاصل ہوگی، اس لیے کہ اگر فی الواقع زمینی رشتہ ہی مقدس ہے تو ایک سندھی کے لیے سندھ کے وطن ہونے کا تصور زیادہ قریبی بھی ہے اور قدیمی بھی۔ پھر اِس کو تقویت دینے کے لیے خاص طور پر لسانی عامل موجود ہے جو نہایت قوت کا حامل ہے اور ظاہر ہے کہ پاکستان کا لفظ بھی نہ قرآن میں ہے نہ حدیث میں، اور اس کی حدود بھی ہرگز نہ کتاب و سنت سے ماخوذ ہیں نہ اُن پر مبنی۔ تو پھر اگر وطن ہی کو 'پوجنا' ہے تو سرزمین سندھ کو کیوں نہ پُوجا جائے۔

خلاصۂ کلام

اِس پوری بحث کا حاصل یہ ہے کہ پاکستان کے استحکام کے لیے نہ ''تاریخی تقدس'' کا عامل موجود ہے، نہ ہی جغرافیائی عوامل اِس کے پشت پناہ ہیں۔ پھر کوئی نسلی، لسانی یا وطنی قومیت کا جذبہ بھی ایسا موجود نہیں ہے جو استحکام کے لیے پختہ اساس اور سنگین بنیاد کا کام دے سکے۔ لہٰذا اِس کے استحکام کا کُل دار و مدار صرف ایک چیز پر ہے اور وہ وہی ہے جس نے اِسے جنم دیا ہے، یعنی مذہبی جذبہ۔ گویا پاکستان کا معاملہ بالکل ع ''کافر نتوانی شد، ناچار مسلماں شو'' والا ہے کہ اگر اسے اپنی بقا مطلوب ہے اور یہ کسی دوسری طاقت کا طفیلی یا زیردست بن کر نہیں، بلکہ باوقار اور باعزت اور حقیقتاً آزاد اور خود مختار ہو کر باقی رہنا چاہتا ہے تو اِس کے لیے کوئی اور چارۂ کار سرے سے موجود ہی نہیں ہے، سوائے اس کے کہ یہ اسلام کا دامن تھامے اور اُسی کا سہارا لے۔

نظریۂ پاکستان سے ہمارا انحراف

لیاقت علی خان کی شہادت کے بعد اسلام کا وہ کھیل ختم ہوگیا (جو تحریک پاکستان کے زمانے میں ذمہ دار تھا، یہ ایک الگ بحث ہے، لیکن بہ حیثیت مجموعی پوری قوم، تمام مسلمانانِ پاکستان اِس کے ذمہ دار اور مجرم ہیں کہ اس کے بعد اسلام کی طرف کوئی پیش کش نہیں ہوسکی۔ اسلام کا سوشل جسٹس کا نظام، عدلِ اجتماعی، اخوت و بھائی چارہ، مساوات اور آزادی، یہ سب کہاں ہیں؟ پاکستان کی سیاست اور حکومت پر سیکولرازم کا رنگ چھایا ہوا ہے، اور اب تو روشن خیالی کے نام سے نئے ابعاد کا اضافہ کیا جا رہا ہے اور بات آگے سے آگے بڑھتی چلی جا رہی ہے۔

ہماری معیشت سُود پر مبنی ہے، حالانکہ اسلام کی رُو سے سُود سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں ہے۔ کسی گناہ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے چیلنج نہیں آیا، لیکن سود کے گناہ پر اللہ کی طرف سے چیلنج آیا ہے کہ اگر باز نہیں آتے تو اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی طرف سے اعلانِ جنگ ہے۔ (البقرہ:279) سود کی شناعت اور شدت کے بارے میں نبی کریم ﷺ کی حدیث مبارکہ ہے کہ: ''سُود کے گناہ کے ستر حصے ہیں، اور سب سے ہلکا گناہ اس کے مساوی ہے کہ کوئی شخص اپنی ماں کے ساتھ زنا کرے۔'' علامہ اقبال کہتے ہیں کہ سود تو اُم الخبائث ہے اور اس کے بطن سے تو خبائث ہی وجود میں آئیں گے، جبکہ قرضِ حسنہ ایک نعمت ہے اور اس کے اندر لذت ہے جسے آج کوئی واقف نہیں۔ قائداعظم نے سٹیٹ بنک آف پاکستان کا افتتاح کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ اب آپ کو اسلام کا نظامِ معیشت تیار کرنا ہے۔ مغربی نظامِ معیشت نے انسان کو کوئی خیر اور بھلائی عطا نہیں کی۔

بینکنگ کے نظام کی جو تلخ ترین حقیقت ہے، اُس تک علامہ اقبال کی نگاہ تیز پہنچ گئی تھی اور انہوں نے کہہ دیا تھا کہ جب تک بینکنگ کا یہ نظام ملیامیٹ نہیں ہو جاتا، تب تک کہاں کی دانش، کہاں کی تہذیب اور کہاں کا دین؟

اسی طرح یہاں پر غیر حاضر زمینداری کا نظام قائم ہے۔ یہ دورِ ملوکیت کی پیداوار ہے۔ دورِ بنواُمیہ میں جو جاگیریں دی گئی تھیں، اسلام کے مجدّدِ اوّل عمر بن عبدالعزیزؒ نے اُن کے سارے وثائق اور دستاویزات منگوا کر انہیں قینچی کے ساتھ کتر کر پھینک دیا تھا اور سب زمینداریاں ختم کر دی تھیں۔ امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ دونوں کے نزدیک مزارعت حرام مطلق ہے۔ اِس موضوع پر ہم نے مولانا محمد طاسین صاحب کی کتاب ''مروجہ نظامِ زمینداری اور اسلام'' شائع کی تھی، جس میں یہ حدیث کم از کم دس طریقوں سے نقل کی گئی ہے کہ جس کے پاس زمین ہے، وہ یا تو خود کاشت کرے یا اپنے بھائی کو دے دے، لیکن اُس کی پیداوار میں سے وہ ایک دانہ بھی لینے کا روادار نہیں ہوگا۔ یہ مزارعت تو ظالمانہ نظام ہے۔ اسلام کے نام پر قائم ہونے والے پاکستان میں نظر دوڑا کر دیکھیے کہ کہاں ہے وہ سوشل جسٹس؟ کہاں ہے خلافتِ راشدہ کے سنہری دور کا عکس؟ کہاں ہے کفالتِ عامہ کا وہ نظام کہ بچہ پیدا ہو تو اُس کا وظیفہ مقرر کر دیا جائے گا؟ جاگیردار اور زمیندار ہاری کے خون پسینے کی کمائی پر عیش کرتا ہے۔ اُن کے اپنے بچے انگلستان اور امریکا میں تعلیم حاصل کرتے ہیں، جبکہ ہاری کے بچے کو نہ دوا ملتی ہے اور نہ تعلیم کی کوئی سہولت میسر ہے۔

مغرب کے تعلیمی نظام کے ذریعے جو تہذیبی یلغار آئی تھی، وہ ابھی تک تو صرف اونچے طبقات مثلاً سول اور ملٹری بیوروکریسی تک محدود تھی کہ اُن کی نشست و برخاست اور وضع قطع وغیرہ مغربی تھی، مگر اب یہ یلغار وسیع پیمانے پر آ رہی ہے، بلکہ اب تو ہمارے اوپر دو طرفہ یلغار ہو رہی ہے۔ ایک یلغار تو تہذیب کے اعتبار سے مغرب کی طرف سے آ رہی ہے اور اب کھل کر مسلمانوں کی تہذیب کو برباد کرنے کی باتیں ہو رہی ہیں۔

نظریۂ پاکستان سے انحراف کے نتائج

یہ صورتِ حال درحقیقت اللہ سے کیے ہوئے وعدے سے عظیم انحراف کا نتیجہ ہے۔ ہم نے اللہ تعالیٰ سے وعدہ کیا تھا کہ اے پروردگار! اگر تُو ہمیں آزادی کی نعمت عطا کر دے تو ہم تیرے دین کا بول بالا کر دیں گے۔ ہمارے قائد نے دس برس تک اسلام کی قوالی گائی، اسلام کے راگ الاپے، لیکن ہم نے ان کے رخصت ہونے کے بعد اِس

وعدے سے انحراف کیا اور اِس انحراف کا نتیجہ ’’نفاق‘‘ کی صورت میں نکلا ہے۔ میں نے نفاق کا لفظ سورۃ التوبہ کی تین آیات 75 تا 77 کے حوالے سے استعمال کیا ہے۔ اِن آیات میں مدینہ کے منافقین کی ایک خاص قسم کا ذکر ہو رہا ہے۔ نفاق وہ چیز ہے جس کے بارے میں سورۃ النساء 145 میں کہا گیا ہے: ’’یقیناً منافق تو جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے۔‘‘

اب میں تین قسم کے نفاق کا تذکرہ کر رہا ہوں۔

پہلا نفاق ’’نفاقِ باہمی‘‘ ہے۔ ہم ایک قوم ہوتے تھے، لیکن اب قومیتوں میں تحلیل ہو چکے ہیں۔ اب تو عصبیتیں ہی عصبیتیں ہیں۔ صوبائی عصبیتیں ہیں۔ علاقائی عصبیتیں ہیں۔ لسانی عصبیتیں ہیں۔ پھر مذہبی اختلافات ہیں۔ 1971ء میں ملک خداداد پاکستان دولخت ہوا۔ یہ پاکستان کی تاریخ کی عظیم ترین ہزیمت تھی۔ اندرا گاندھی نے اس موقع پر کہا تھا کہ ’’ہم نے اپنی ہزار سالہ شکست کا بدلہ چکا دیا ہے۔ اُس نے یہ بھی کہا تھا کہ ہم نے دو قومی نظریے کو خلیج بنگال کے اندر غرق کر دیا ہے۔

دوسرا نفاق ’’عملی نفاق‘‘ ہے کہ ہمارے اخلاق کا دیوالیہ نکل گیا ہے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں وارد حدیث نبوی ﷺ ہے کہ: ’’منافق کی تین نشانیاں ہیں۔ جب بولے، جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے، جب امین بنایا جائے تو خیانت کرے۔‘‘ دوسری حدیث میں ایک چوتھی نشانی بھی ہے کہ ’’اگر جھگڑا ہو جائے تو فوراً آپے سے باہر ہو جائے۔‘‘ اب اِن چار علامات کے حوالے سے اپنے معاشرے کا جائزہ لیجیے۔ آپ دیکھیں گے کہ جو جتنا بڑا ہے، اتنا ہی جھوٹا ہے۔ جو جتنا بڑا ہے، اُتنا ہی وعدہ خلاف اور اُتنا ہی بڑا خائن ہے۔ یہاں اربوں اور کھربوں کے غبن ہوئے ہیں۔ ہمارے اعلیٰ افسروں نے ڈاکو بن کر اِس ملک کو لوٹا ہے۔ لڑائی جھگڑے اور قتل و غارت روزمرہ کا معمول بن چکا ہے۔ دو آدمی ذرا سا جھگڑا کریں تو فوراً چاقو یا پستول نکل آتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ انسانی جان کی قدر و قیمت مکھی کی جان سے زیادہ نہیں ہے۔

تیسرا اور سب سے بڑا نفاق ہمارے ہاں دستور کا نفاق ہے۔ کسی ملک میں اہم ترین دستاویز اُس کا دستور ہوتا ہے۔ میں معذرت کے ساتھ یہ الفاظ استعمال کر رہا ہوں کہ پاکستان کا دستور منافقت کا پلندا ہے۔ منافق وہی ہوتا ہے نا جو ظاہر میں مسلمان ہو اور باطن میں کافر! اور پاکستان کے دستور کا معاملہ بھی بالکل ایسا ہی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ اس ملک میں اسلامی نظام کے قیام کے لیے ’’قرار داد مقاصد‘‘ کو ٹھوکر مار کر رد کر دیا کہ اس آرٹیکل کا دوسرے آرٹیکلز کے اوپر کوئی اثر نہیں ہو سکتا اور بات ختم ہو گئی۔ دفعہ 227 کے بڑے خوبصورت الفاظ ہیں: ’’کوئی قانون نہیں بنایا جائے گا جو قرآن وسنت سے متصادم ہو‘‘، لیکن اسے ’’اسلامی نظریاتی کونسل‘‘ کے ساتھ نتھی کر دیا گیا۔ اِس کونسل پر کروڑوں روپیہ صَرف ہوا اور ان لوگوں نے بڑی محنت سے اچھی اچھی رپورٹیں تیار کیں، لیکن وہ رپورٹیں مختلف وزارتوں کے دفاتر میں جا کر dump ہو گئیں۔ کوئی وزارتِ مالیات کی الماریوں میں ہیں، کوئی وزارتِ داخلہ کی الماریوں میں ہیں اور آج تک کسی ایک پر بھی کوئی کارروائی نہیں ہوئی۔

ضیاء الحق صاحب نے ’’فیڈرل شریعت کورٹ‘‘ بنا کر ایک کارنامہ انجام دیا۔ اصولی اعتبار سے اسلام کے نفاذ کا یہ بہترین طریقہ ہے کہ ایک اعلیٰ عدالت ہو جسے یہ اختیار ہو کہ اگر وہ کسی شے کو قرآن وسنت کے خلاف پائے تو وہ فتویٰ دے دے کہ یہ خلافِ اسلام ہے، لیکن اِس فیڈرل شریعت کورٹ کو دو ہتھکڑیاں اور دو بیڑیاں ڈال دی گئیں کہ:

1۔ دستورِ پاکستان اس کے دائرۂ اختیار سے خارج ہے۔ گویا ہم دستور کے معاملے میں اسلام کی کوئی رہنمائی قبول کرنے کو تیار نہیں۔

2۔ عدلیہ کے طریق کار سے متعلق قوانین، ضابطۂ دیوانی اور ضابطۂ فوجداری اِس کے دائرہ کار سے خارج ہیں:

3۔ دس سال تک مالی معاملات اِس کے دائرہ کار سے خارج ہوں گے۔

4۔ عائلی قوانین بھی اس کے دائرہ اختیار سے خارج کر دیئے گئے۔

دس سال کی مدت گزرنے کے بعد وفاقی شرعی عدالت نے بڑا معرکۃ الآرا فیصلہ کیا کہ بینک انٹرسٹ کو سُود قرار دے دیا، لیکن حکومت کی طرف سے ایک اپیل دائر کروا دی گئی۔ پھر مہلت لی گئی۔ پھر جسٹس تقی عثمانی صاحب کو وہاں سے نکال باہر کیا گیا جو لوہے کا چنا تھا اور دو نئے جج لائے گئے، اور کہا جاتا ہے کہ اُن سے پہلے ہی یہ بات طے ہو گئی تھی کہ انہوں نے یہی کہنا ہے کہ بینک انٹرسٹ ابھی تک سود ثابت نہیں ہوا، لہٰذا شریعت کورٹ ازسرِنو اس پر غور کرے۔

ملک کا انجام:

اِن سب کا حل کیا ہے؟ اس کا حل ہے ’’توبہ‘‘۔ سب سے پہلے انفرادی اور اجتماعی توبہ کی جائے اور اللہ سے دعا کی جائے کیونکہ تمام انسانوں کے دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں، وہ انہیں جدھر چاہے پھیر دے، بہرحال اصل بات جو حکمرانوں کے سامنے نہیں ہے، وہ یہ ہے کہ پاکستان کی جڑ اور بنیاد اسلام کے سوا کوئی نہیں، اور اس کی بقا اور اِس کا استحکام سوائے اسلام کے کسی اور شے سے ممکن نہیں...... اعاذنا اللہ من ذلک

اقول قولی ھذا و استغفر اللہ لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات

ضرورت رشتہ

☆ گلشن اقبال کراچی کے رفیق تنظیم اسلامی کی 3 بیٹیاں، عمر بالترتیب 23، 25، 27 سال اور تعلیم ایم اے، بی اے، رجوع الی القرآن، پردہ کی پابند، کے لیے دینی مزاج کے حامل دنیاوی رسم و رواج سے آزاد قرآن وسنت کے مطابق فریضہ نکاح و رخصتی۔ (رابطہ: رات 10 سے 11 بجے) برائے رابطہ: 0336-3651341

امیر تنظیم اسلامی کی چیدہ چیدہ مصروفیات

(22 تا 26 جولائی 2022ء)

جمعہ (22 جولائی) کو قرآن اکیڈمی ڈیفنس کراچی کی مسجد میں اجتماع جمعہ سے خطاب فرمایا۔ بعدازاں آسٹریلیا سے آئے ہوئے ایک ساتھی سے ملاقات کی۔ جامع مسجد شادمان ٹاؤن ٹرسٹ کے صدر کی اہلیہ کا انتقال ہو گیا تھا، ان کی تعزیت کے لیے جانا ہوا۔

پیر (25 جولائی) کی رات کو طے شدہ پروگرام کے مطابق لاہور آنا ہوا۔

منگل (26 جولائی) کو نماز ظہر سے قبل ناظم شعبہ سمع و بصر و سوشل میڈیا و ناظم تعلیم و تربیت سے میٹنگز کیں۔ بعد نماز ظہر ناظم اعلیٰ و نائب ناظم اعلیٰ سے شعبہ نظامت اور بعد نماز عصر ناظم شعبہ انگریزی و بیرون پاکستان سے میٹنگز کیں۔ ان سب میں نائب امیر بھی شریک رہے۔ رات شعبہ سمع و بصر میں ’’امیر سے ملاقات‘‘ کے پروگرام کی ریکارڈنگ کروائی۔

اس وقت پاکستان کو عالمی سطح پر ہی نہیں بلکہ خطے میں بھی نظرانداز کیا جا رہا ہے۔ اگر روس کے دورے کے بعد حکومت تبدیل نہ ہوتی تو حالیہ تہران اجلاس میں شرکت کرنے والوں میں چوتھا ملک شاید پاکستان ہوتا: ایوب بیگ مرزا

امریکی صدر جو بائیڈن کے مشرق وسطیٰ کے دورے کا اصل مقصد یہی تھا کہ سعودی عرب اور دوسرے عرب ممالک پر زور دیا جائے کہ وہ اسرائیل کو تسلیم کریں: رضاء الحق

امریکی صدر کا دورہ مشرق وسطیٰ اور تہران میں سہ فریقی مذاکرات کے موضوعات پر

حالاتِ حاضرہ کے منفرد پروگرام ”زمانہ گواہ ہے“ میں معروف دانشوروں اور تجزیہ نگاروں کا اظہار خیال

میزبان: ڈاکٹر حبیب اسلم

سوال: امریکہ کے صدر جو بائیڈن نے پہلے اسرائیل اور پھر مشرق وسطیٰ اور سعودی عرب کا دورہ کیا۔ اس دورے کی اہمیت اور مقاصد کیا تھے اور وہ کس حد تک اس میں کامیاب ہوئے ہیں؟

رضاء الحق: صدر جو بائیڈن کا یہ دورہ چار دن پر مشتمل تھا۔ 13 اور 14 جولائی کو وہ اسرائیل گئے اور پھر 15 اور 16 جولائی کو سعودی عرب میں مختلف تقاریب وفورمز میں شرکت کی۔ شاہ سلمان اور ولی عہد محمد بن سلمان سے بھی ملاقات کی۔ امریکی صدور مشرق وسطیٰ کا دورہ کرتے رہتے ہیں۔ اس سے پہلے ٹرمپ نے بھی دورہ کیا تھا۔ امریکہ کے صدر کا دورہ اسرائیل کو دورہ نہیں بلکہ یاترا کہنا زیادہ مناسب ہے کیونکہ وہ وہاں پر سلامی پیش کرنے جاتے ہیں۔ جو بائیڈن 1973ء میں پہلی مرتبہ امریکی ریاست ڈیلویئر سے سینیٹر بنے تھے اس کے بعد سے اب تک وہ دس مرتبہ اسرائیل کا سرکاری دورہ کر چکے ہیں۔ امریکی صدر جونہی اسرائیل میں بن گوریان ایئرپورٹ پر اترے وہاں انہوں نے اپنی پہلی تقریر کی جس میں انہوں نے فرمایا:

" You Do not have to be a Jew to be a Zionist."

یعنی انہوں نے اپنے آپ کو ایک بہت بڑا ذائنسٹ ثابت کیا اور جو بھی ریاست اسرائیل کا وفادار ہے وہ ذائنسٹ ہے۔ پھر انہوں نے کہا کہ امریکی اور اسرائیلی عوام کا آپس میں بہت گہرا تعلق ہے۔ پھر اسی طرح اسرائیل کے قائم مقام وزیراعظم یائرلیپڈ جو انتہائی کٹر قسم کے یہودی اور صہیونی ہیں، انہوں نے بھی جواب میں کہا کہ امریکہ میں اسرائیل نواز یا اسرائیل سے محبت رکھنے والے بہت سے لیڈرز ہیں، ان میں سے ایک بڑے لیڈر یعنی ’گریٹ ذائنسٹ‘ جو بائیڈن ہیں۔ امریکہ کے صدور پہلے مشرق وسطیٰ میں اسرائیل اور فلسطین دو ریاستوں کا ذکر کرتے رہے ہیں لیکن اس دورہ میں جو بائیڈن نے اشارتاً دو ریاستوں کا ذکر تو کیا لیکن اس میں فلسطین کا نام نہیں لیا۔ پھر اس دورے میں اسرائیل کی سکیورٹی کے حوالے سے بات چیت کو اولین ترجیح دی گئی۔ انہوں نے محمود عباس سے ملاقات

مرتب: محمد رفیق چودھری

ضرور کی لیکن فلسطینیوں کے حقوق پر کوئی بات نہیں ہوئی۔ بہر حال اسرائیل کا دورہ جب بھی ہوتا ہے تو اس میں امریکہ یہی کہتا ہے کہ ہماری مشرق وسطیٰ کی پالیسی اسرائیل کے اردگرد ہی گھومتی ہے اور اسی کے مقاصد کو آگے بڑھانے کے لیے ہم کام کریں گے۔ اسرائیل میں ہی انہوں نے یہ بات کہہ دی تھی کہ اس پورے خطے کے اندر ایران ایک بہت بڑا خطرہ ہے اور ساتھ ساتھ چین اور روس کی جانب سے بھی خطرات ہیں۔ چنانچہ سعودی عرب آ کر انہوں نے انہی باتوں کو دہرایا۔ سعودی عرب کے دورے کے حوالے سے امریکی سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ بالخصوص وزیر خارجہ انتھونی بلنکن اور قومی سلامتی کے مشیر جیک سلوان نے کہا تھا کہ سعودی عرب کے دورے میں ہیومن رائٹس کے علاوہ علاقائی دفاعی سسٹم کے حوالے سے بھی بات ہوگی۔ یہ انتہائی خطرناک معاملہ ہے کیونکہ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اسرائیل کو خطے میں پولیس مین کا رول دیا جائے گا اور مشرق وسطیٰ کے دیگر ممالک اسرائیل کی حفاظت کے لیے معمور ہوں گے یعنی اس کے لیے گارڈ کا کردار ادا کریں گے۔ پھر ایک دوسرا ایشو یہ بھی تھا کہ اوپیک کے ذریعے سعودی عرب کو کہا جائے کہ وہ تیل کی سپلائی کو بڑھائے تاکہ عالمی مارکیٹ میں تیل کی قیمتیں کم ہو سکیں۔ روس اور یوکرائن کی جنگ کے اثرات پوری دنیا پر آ رہے ہیں جبکہ خام تیل، گیس، گندم وغیرہ کے سب سے بڑے سپلائر یہی ممالک ہیں۔ یہ اس دورے کے بنیادی مقاصد تھے جن میں اصل مقصد یہی تھا کہ سعودی عرب اور دوسرے عرب ممالک پر زور دیا جائے کہ وہ اسرائیل کو تسلیم کریں۔ ان میں سے کچھ مقاصد انہوں نے حاصل کیے لیکن کچھ ابھی تک حاصل نہیں کر سکے۔ جیسے آئل سپلائی کا معاملہ ہے۔ ترکی اور مصر تو ایک عرصہ پہلے ہی اسرائیل کو تسلیم کر چکے ہیں۔ گزشتہ چند برسوں کے دوران متحدہ عرب امارات، اومان، مراکش اور سوڈان نے بھی اسرائیل کو تسلیم کر لیا ہے۔ اب اہم ممالک سعودی عرب اور پاکستان ہی رہ گئے ہیں اس حوالے سے امریکہ اور اسرائیل بھرپور کوششیں کر رہے ہیں۔ اللہ کرے وہ کامیاب نہ ہوں۔

سوال: جو بائیڈن جب سعودی عرب آئے تو وہاں انسانی حقوق کی بات سامنے آئی۔ دوسری طرف سعودی عرب میں یہ معجزہ دیکھنے میں آیا کہ اس نے امریکی صدر کے دورے کا مثبت ردعمل نہیں دیا۔ کیا ہم امید کر سکتے ہیں کہ مستقبل میں سعودی عرب اور امریکہ میں دوریاں پیدا ہوں گی یا یہ وقتی ناراضگی کا معاملہ ہے جو حل ہو جائے گا؟

ایوب بیگ مرزا: جو بائیڈن پر بعد میں تنقید اس لیے ہوئی ہے کہ اس نے اپنی انتخابی مہم میں صحافی جمال خاشقجی کے قتل پر ولی عہد محمد بن سلمان کے محاسبے کا نعرہ لگایا تھا کیونکہ مغربی میڈیا نے جمال خاشقجی کے قتل کا ذمہ دار محمد بن سلمان کو قرار دیا تھا۔ اس حوالے سے محمد بن سلمان اور جو بائیڈن کے درمیان پہلے سے کشیدگی موجود تھی۔

البتہ جو بائیڈن کے دورہ سعودی عرب کے معاملے میں سعودی عرب کا ردِعمل دو حصوں میں نظر آتا ہے۔ سعودی وزیر خارجہ نے صدر جو بائیڈن کے جانے کے بعد اس کے خلاف بہت زبردست پریس کانفرنس کی ۔ ایسی پریس کانفرنس آج تک کسی امریکی صدر کے خلاف نہیں کی گئی مگر اس میں صرف ذاتی اختلاف کی بات کی گئی کہ صدر جو بائیڈن نے ولی عہد محمد بن سلمان کو ٹارگٹ بنایا تھا لیکن پالیسی کا کوئی اختلاف سامنے نہیں آیا۔ سعودی وزیر خارجہ نے اپنی پریس کانفرنس میں یہ ذکر تو کیا کہ ہمارا مذہب اور روایات مختلف ہیں لیکن عملی طور پر انہوں اپنے مذہب اور روایات پر پانی پھیر دیا ہے۔ گویا اس پریس کانفرنس میں انہوں نے اپنے ذاتی مفاد کی خاطر مذہب اور روایات کا سہارا لیا ہے لیکن اسرائیل کے خلاف ایک لفظ نہیں بولا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ امریکہ یا جو بائیڈن کے خلاف اگر بولے ہیں تو صرف اپنی ذات کے لیے بولے ہیں۔ یعنی اگر جو بائیڈن ولی عہد کی ذات کو نشانہ بنانا چھوڑ دے تو پھر کوئی اختلاف نہیں۔ بادی النظر میں ولی عہد نے اپنی ذات کو زیادہ اہمیت دی ہے۔

سوال: فرض کریں اگر ذات کا یہ ایشو بڑھ جائے اور اس کے نتیجے میں سعودی حکام مذہب اور روایات کو زیادہ اہمیت دینے لگیں۔ کیا یہ ممکن ہے؟

ایوب بیگ مرزا: میں سمجھتا ہوں کہ اگر سعودی ولی عہد کی ذات پر حملہ کر کے امریکہ اور اسرائیل کے مفادات کو نقصان پہنچتا ہے تو پھر امریکہ اب اس معاملے میں نرمی اختیار کرے گا کیونکہ ان کے لیے ملکی پالیسیز زیادہ اہم ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ امریکہ اپنی سکیورٹی کے حوالے سے بھی اتنا حساس نہیں ہے جتنا وہ اسرائیل کی سکیورٹی اور مفادات کے بارے میں حساس ہے۔ اس نے ہمیشہ اسرائیل کو مقدم رکھا ہے ۔ ابھی اسرائیل کا اثر و نفوذ اتنا نہیں تھا تو ایک مرتبہ اسرائیل کے وزیر اعظم نے ٹی وی پر آ کر کہا تھا کہ امریکہ اپنے ایک اقدام سے باز نہ آیا تو میں صبح نیویارک میں آگ لگا دوں گا۔ اس پر امریکہ نے کوئی احتجاج نہیں کیا تھا، بلکہ خاموشی سے ان کے مطالبے کو تسلیم کر لیا تھا۔ 1974ء میں اسرائیل مصر سے جنگ مکمل طور پر ہار چکا تھا، گولڈن میئر کا بیان آن ریکارڈ ہے کہ میں نے خودکشی کا فیصلہ کر لیا تھا لیکن امریکہ نے امریکہ اور اسرائیل کے درمیان جہازوں کا پل باندھ دیا اور اتنا اسلحہ بھیجا کہ مصر کی فتح شکست میں بدل گئی۔ گویا وہ جنگ امریکہ نے اسرائیل کو جیت کر دی تھی۔ اسی طرح آج امریکہ اسرائیل کے مفاد کے لیے سعودی ولی عہد سے اختلافات بھی بھول جائے گا۔ جہاں تک انسانی حقوق کی بات ہے تو امریکہ کس منہ سے انسانی حقوق کی بات کرتا ہے۔ اس نے ابوغریب جیل میں انسانیت کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ وہ عراق، لیبیا اور شام میں ہزاروں نہیں لاکھوں انسان بے دریغ قتل کر چکا ہے۔ بہرحال دوسروں کو نصیحت کرنا اور خود اس پر عمل نہ کرنا یہ امریکہ اور مغرب کا طرزِ عمل رہا ہے۔

سوال: جو بائیڈن نے سعودی عرب میں شاہ سلمان اور ولی عہد محمد بن سلمان سے ملاقات کی اور کہا کہ امریکہ مشرق وسطیٰ کو ہرگز نہیں چھوڑ سکتا کیونکہ اگر چھوڑے گا تو ایران، چین اور روس اس خلا کو پر کر دیں گے۔ ایسی کشیدگی والی صورت حال میں عرب ممالک کو کیا چیلنجز درپیش ہیں؟

امریکی تھنک ٹینکس لکھ رہے ہیں کہ چین بہت جلد تائیوان پر حملہ کر سکتا ہے۔ اس صورت حال میں اس خطہ میں کشیدگی بڑھتی ہوئی نظر آ رہی ہے۔ مغرب میں پہلے ہی روس یوکرائن جنگ شروع ہے۔

رضاء الحق: اصل میں ٹرمپ کے دور میں یہ بات سامنے آ رہی تھی کہ امریکہ نے جو دنیا میں جنگوں کا سلسلہ پھیلایا ہوا ہے شاید اب اس کو ختم کر دے گا۔ جیسا کہ افغانستان سے اس نے انخلاء کی پالیسی اپنائی۔ اسی طرح عراق میں بھی امریکہ نے اپنی فوج آہستہ آہستہ کم کرنا شروع کر دی اور وہاں اب بہت کم فوج رہ گئی ہے۔ دوسری طرف چین عالمی طاقت کے طور پر آگے بڑھا ہے۔ اس نے اپنی معاشی طاقت کو مشرق وسطیٰ اور افریقی ممالک میں بھی ظاہر کرنا شروع کر دیا۔ پھر حالیہ روس یوکرائن جنگ میں امریکہ اور نیٹو ممالک کی پالیسی روس کے دروازے تک پہنچنے کی تھی لیکن اس میں ان کو سیٹ بیک ملا۔ 2012ء میں امریکہ کی Pivot to Asia پالیسی آئی کہ ہم آئندہ سالوں میں ساری توجہ ایشیا پر فوکس کریں گے اور اگلی دہائی میں ایشیا میدان جنگ بن سکتا ہے۔ 2018ء میں امریکہ کی ڈیفنس سٹریٹیجک پالیسی آئی۔ اب ایک طرف امریکہ کا بلاک ہے اور دوسری طرف چین اور روس کی طاقت بھی ابھر کر سامنے آ رہی ہے اور ان کا بھی بلاک بنا شروع ہو گیا ہے۔ چین اور روس کے فطری اتحادی ممالک میں ایک ایران بھی شامل ہے۔ امریکہ چاہتا ہے کہ سعودی عرب سے تعلقات بہتر ہوں۔ IMF کی رپورٹس کو سامنے رکھیں تو یہی دکھائی دیتا ہے کہ مستقبل میں پوری دنیا میں معاشی بحران کا خطرہ ہے۔ گندم کے بحران نے پوری دنیا کو گھیرنا شروع کر دیا ہے۔ ترکی نے مختلف ممالک میں ایک پل کا کردار ادا کرنا شروع کر دیا ہے، اس نے روس اور یوکرائن کے درمیان مذاکرات کروائے ہیں۔ بہرحال امریکہ چاہتا ہے کہ میں اس خطے میں ہر صورت موجود رہوں تا کہ اسرائیل کے مفادات کا تحفظ ہو سکے۔ اسرائیل کے اندر بہت سارے ایسے گروپس بننا شروع ہو گئے ہیں جو کہہ رہے ہیں کہ تمام مشرق وسطیٰ کے ممالک کو اسرائیل کی سربراہی میں مل کے رہنا چاہیے۔ اس میں وہ ابراہیم ایکارڈز کا نام استعمال کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارا مذہب سب سے پرانا ہے اس لیے ہم لیڈرشپ کا رول لیں گے لیکن باقی ابراہیمی مذاہب کو بھی اپنے ساتھ لے کر چلیں گے۔ ان سارے معاملات کو سامنے رکھیں تو چیلنجز موجود ہیں اور سعودی عرب کو بھی ایک وقت میں کوئی سائیڈ لینا پڑے گی۔ البتہ ایک خوش آئند بات یہ ہے کہ ایران اور سعودی عرب کے درمیان مذاکرات آگے بڑھ رہے ہیں اور ان دونوں ممالک کو سمجھنا چاہیے کہ ان کی آپس کی لڑائی کا فائدہ صرف اسرائیل اور اس کی پشت پناہ طاقتوں کو ہے اور ان دونوں کا صرف نقصان ہے۔

سوال: اس صورت حال کے دوران ہی تہران میں ترکی، ایران اور روس کے صدور کی ملاقات ہوئی۔ آپ کی نظر میں یہ ملاقات کتنی اہمیت کی حامل ہے؟

ایوب بیگ مرزا: موجودہ عالمی حالات میں یہ ایک بہت اہم میٹنگ تھی اور خاص طور پر اس خطے میں اس کے بڑے دوررس نتائج نکلیں گے۔ ایران اور ترکی کے درمیان 30 بلین ڈالر کی تجارت کا معاہدہ ہوا ہے حالانکہ ایران پر امریکہ نے تجارتی پابندیاں لگائی ہوئی ہیں۔ ترکی کی جغرافیائی پوزیشن بہت اہم ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ترکی کی لیڈرشپ کی پالیسی میں کافی شفٹ آتا رہتا ہے لیکن وہ ہر وقت اپنے ملک کے مفاد کو ترجیح دیتے ہیں۔ وہ نیٹو کے رکن ہیں لیکن ایران سے تعلقات قائم کر رہے ہیں۔ اسی طرح ایران بھی امریکہ کو کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ افغانستان نے ایران سے انتہائی سستا تیل خریدا ہے لیکن انہوں نے امریکہ سے خوف محسوس نہیں کیا۔ اگرچہ ایران اس سے پہلے ایسے اقدامات کرتا رہا ہے جس سے یہی لگتا ہے کہ وہ امریکہ سے براہ راست تصادم نہیں چاہتا لیکن وہ کہیں بھی اپنے مفادات کو تج نہیں کرتا۔ یعنی وہ ہر سطح پر

اپنے ملک کے مفادات دیکھتے ہیں اور تجارت کے حوالے سے تو ضرور دیکھنا چاہیے۔ ہمارے ہاں پٹرول کا شدید بحران ہے لیکن ہماری کسی حکومت نے یہ جرأت نہیں کی کہ ایران سے سستا تیل حاصل کریں کیونکہ ہمارے حکمرانوں پر امریکہ کا خوف طاری رہتا ہے۔ ہمارے حکمرانوں کی سوچ اتنی پست ہے کہ وہ ملکی مفاد پر اپنی کرسی کو ترجیح دیتے ہیں۔ جب سابق وزیراعظم عمران خان نے روس کا دورہ کیا تو ہمارے سیاستدانوں نے محض کرسی کی خاطر اپنے ملک کو امریکہ کا غلام بنا دیا اور اس کے بعد پاکستان کا دنیا میں کوئی اعتبار تک نہیں رہا۔ پچھلے تین چار ماہ میں کسی ملک کے صدر یا وزیراعظم حتیٰ کہ کسی وزیرخارجہ نے بھی پاکستان کا دورہ نہیں کیا۔ اس وقت پاکستان کو عالمی سطح پر ہی نہیں بلکہ اس خطے میں بھی نظرانداز کیا جا رہا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر روس کے دورے کے بعد حکومت تبدیل نہ ہوتی اور پاکستان اپنی پالیسی پر قائم رہتا تو تہران اجلاس میں شرکت کرنے والوں میں چوتھا ملک پاکستان ہوتا۔

سوال: کسی ملک کی خارجہ پالیسی سٹیٹ کی پالیسی ہوتی ہے کسی حکومت کے آنے جانے سے اس میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ پاکستان میں حکومت تبدیل ہوئی ہے لیکن ادارے سارے ادھر ہی ہیں لیکن اس کے باوجود ایران میں تین اہم ممالک مل رہے ہیں لیکن ہمیں کچھ خبر ہی نہیں ہے؟

ایوب بیگ مرزا: یقیناً خارجہ پالیسی سٹیٹ کی پالیسی ہوتی ہے لیکن یہ ترقی یافتہ ممالک میں ہوتا ہے۔ ہماری حالت سب کے سامنے ہے۔ بڑے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہمیں کسی نے بلایا ہی نہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر وزیراعظم شہباز شریف کو بلایا جاتا تو وہ چلے جاتے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کوئی کیوں بلاتا؟ جب انہیں پتا ہی نہیں ہم کس سائیڈ پر کھڑے ہیں؟

سوال: امریکہ کے حامی اور مخالف ممالک کے بلاکس اب کھل کر سامنے آ رہے ہیں اور ان کے درمیان تصادم کی صورت حال پیدا ہو رہی ہے۔ اس کے نتیجہ میں کیا خطرات پیدا ہو سکتے ہیں اور اُمت مسلمہ کے ممالک کو ایسی صورت حال میں کیا لائحہ عمل اختیار کرنا چاہیے؟

رضاء الحق: نائن الیون کے بعد امریکہ ایک بدمست ہاتھی کی طرح پوری دنیا کو روندتا جا رہا تھا، خاص طور پر کئی مسلم ممالک کو تہس نہس کر دیا۔ اس نے پہلے افغانستان اور پھر عراق، لیبیا، شام وغیرہ کو نشانہ بنایا۔ پاکستان کو دہشت گردی کی جنگ میں اپنے ساتھ ملانے کے لیے روشن خیال حکمران مشرف کو اقتدار میں لایا۔ پھر روس اور چین کا گھیراؤ کرنے کے لیے بھی بہت ساری پالیسیاں اپنائیں۔ اُس وقت کوئی ایسی طاقت نہیں تھی جو اس کی طاقت کو چیلنج کر سکتی لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ امریکہ کی طاقت میں کمی آئی جبکہ دوسری طرف روس اور چین کی طاقت میں اضافہ ہوا۔ اگر دیکھا جائے تو دوسری جنگ عظیم کے خاتمے کے بعد پہلی مرتبہ یورپ میں جنگ شروع ہوئی ہے۔ پھر چین نے اپنے پر پرزے پھیلانے شروع کر دیے جو امریکہ کے لیے ایک خطرہ ہے۔ اب امریکہ کے تھنک ٹینکس لکھ رہے ہیں کہ چین بہت جلد تائیوان پر حملہ کر سکتا ہے۔ بہرحال اس ساری صورت حال کو سامنے رکھیں تو اس علاقے میں کشیدگی بڑھتی ہوئی نظر آ رہی ہے۔ دوسری طرف مسلم ممالک میں آپس میں کوئی اتحاد واتفاق نہیں ہے۔ مشرق وسطیٰ میں ایران اور سعودی عرب کا جھگڑا ختم ہونے کا نام نہیں لے رہا۔ اب ان کے درمیان مذاکرات کا دور شروع ہوا ہے اور ہماری دعا ہے وہ مذاکرات کامیاب ہوں۔ دوسرے اہم مسلم ممالک کو بھی ایک پیج پر آنے کی ضرورت ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ ابھی اسلامی نظام قائم ہو جائے گا کیونکہ بظاہر اس کے دور دور تک آثار نظر نہیں آتے۔ مسلم ممالک کم سے کم قومی مفادات کی بنیاد پر متحد ہو سکتے ہیں۔ اگر قومی مفادات کو سامنے رکھیں تو ایٹمی قوت پاکستان ہے، افغانستان میں جذبہ جہاد موجود ہے، سعودی عرب کے پاس تیل کی دولت ہے، اسی طرح ایران کے اندر بھی جذبہ اپنی جگہ موجود ہے۔ پھر ترکی کے پاس ٹیکنالوجی بہت ہے اور مصر کے پاس بھی فوج اچھی ہے۔ یہ ممالک مل کر ایک مضبوط اتحاد قائم کر سکتے ہیں اور دشمن کے لیے خطرہ بن سکتے ہیں۔ اگر یہ اتحاد بن جاتا ہے تو چین اور روس خود بخود ان کے ساتھ آ کر ملیں گے۔ زمینی حقائق کی بنیاد پر ان ممالک کی بہت اہمیت بنتی ہے۔ اگر یہ اتحاد بن گیا تو ان کے پاس ایسی طاقت ہوگی کہ وہ مختلف ڈپلومیٹک، معاشی، معاشرتی، خارجی سطح پر ایک بلند آواز کے ساتھ آگے بڑھ سکیں گے۔ باقیوں کو ان کی بات سننی پڑے گی۔ پھر تمام مسلمانوں کی دعائیں ان کے ساتھ ہوں گی تو دشمن کو یہ آنکھیں دکھا سکتے ہیں اور پھر اسلامی نظام کے قیام کی جدوجہد بھی کی جا سکتی ہے۔

❁❁❁

قارئین پروگرام ''زمانہ گواہ ہے'' کی ویڈیو تنظیم اسلامی کی ویب سائیٹ www.tanzeem.org پر دیکھی جا سکتی ہے۔

سانحۂ کربلا

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی عزیمت وعظمت کے بیان پر جامع تالیف

بانیٔ تنظیم اسلامی

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

جامع اور مختصر مگر عام فہم اور محققانہ تاریخی تالیف کا مطالعہ کیجئے

قیمت 50 روپے

مکتبہ خدام القرآن لاہور

36۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور فون: 3-35869501

e-mail:maktaba@tanzeem.org

حضرت ربیع رضی اللہ عنہا بنت نضر

فرید اللہ مروت

نام ونسب:

نام ربیع اور کنیت ام حارثہؓ تھی۔

سلسلہ نسب یہ ہے: ربیع بنت نضر بن ضمضم بن زید بن حرام۔ انصار یہ تھیں اور انصار کے معروف خاندان عدی بن نجار سے تعلق رکھتی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ کے مشہور صحابہ حضرت مالک بن نضر اور حضرت انس بن نضر ؓ کی بہن اور آپؐ کے خادم خاص حضرت انس بن مالک ؓ کی پھوپھی تھیں۔

شادی

اُن کا نکاح اپنے خاندان کے ہی ایک شخص سراقہ بن حارث سے ہوا۔ ان کی صلب سے ایک بیٹا حارثہؓ پیدا ہوا۔ سراقہ ہجرت نبویؐ سے پہلے فوت ہو گئے اور شرف اسلام سے بہرہ ور نہ ہو سکے۔ حضرت ربیع ؓ نے نہایت نامساعد حالات میں اپنے یتیم فرزند کی پرورش کی اور ان کو باپ کی کمی محسوس نہ ہونے دی۔ حضرت حارثہؓ اپنی ماں کے نہایت فرمانبردار اور خدمت گزار تھے اور ماں بھی ان سے والہانہ محبت کرتی تھیں۔

سیدہ ربیع ؓ کا قبول اسلام

حضرت ربیعؓ اور ان کے فرزند حضرت حارثہؓ نے ہجرت کے فوراً بعد قبولِ اسلام کی سعادت حاصل کی۔ سیدہ ربیع ؓ نے اسلام کے گھنے سائے تلے تربیت حاصل کی اور ہدایت کے صاف وشفاف چشموں سے سیراب ہوئیں۔

فضل وکمال

نہایت بلند حوصلہ اور عزم وارادے کی خاتون تھیں۔ مصائب ومشکلات سے قطعاً نہ گھبراتیں۔ اللہ کی راہ میں جو تکلیفیں آتیں خندہ پیشانی سے برداشت کرتی تھیں۔

اسلام کی تبلیغ واشاعت

ربیع بنت نضر ؓ نے اسلام قبول کرنے کے بعد اسلام کی تبلیغ واشاعت کو اپنا مقصد زندگی ٹھہرا لیا تھا۔ وہ جو مسائل آنحضرت ﷺ سے سنتی اور سیکھتیں ان سے خواتین مدینہ کو آگاہ کرتیں، بچوں کو اسلامی تعلیمات سے آگاہ کرتیں اور قرآن مجید پڑھاتیں۔ بوڑھی اور سن رسیدہ عورتوں کی خدمت کرتیں۔ انہوں نے اپنی زندگی کا یہی نصب العین قرار دے لیا تھا کہ جہاں تک ہو سکے لوگوں کے کانوں میں اسلام کی آواز پہنچائی جائے۔ مدینہ کے مرد اور عورتیں انہیں احترام کی نظر سے دیکھتے تھے اور ان کے اخلاص و انکساری و تواضع اور خدمت خلق کے جذبہ صادقہ سے انتہائی متاثر تھے۔

غزوات میں شرکت

حضرت ربیع ؓ غزوات میں بھی شریک ہوتی تھیں۔ غزوات میں وہ مجاہدین کو پانی پلاتیں، ان کے لیے کھانا تیار کرتیں، انہیں اسلحہ دیتیں، زخمیوں کے لیے دوائیں مہیا کرتیں وہ کوشش کرتیں کہ تمام امور اپنے ہاتھوں سے انجام دیں۔ ان کی یہ تگ وتاز باقی خواتین کے لیے نہایت موثر ثابت ہوتی اور یہ بات خود مجاہدین میں ایک جوش اور عزم پیدا کرنے کا باعث بنتی۔ جب مجاہدین ایک عورت کا یہ ولولہ اور ہمت دیکھتے تو خود ان کے عزم واستقلال کے جذبے میں مزید استحکام اور مضبوطی کے آثار ابھرتے۔

بیٹے کی شہادت

حضرت ربیع ؓ بنت نضر کا ایک بیٹا تھا، جس کا نام حارثہ بن سراقہ ؓ تھا۔ ماں کی طرح بیٹا بھی بڑا بہادر اور جری تھا اور اسلام کا مخلص سپاہی اور سچا خادم۔ حضرت حارثہؓ بن سراقہ ان لوگوں میں سے تھے، جنہوں نے جنگ بدر میں شرکت کی سعادت حاصل کی تھی۔ جنگ بدر کو عہد رسالت کی جنگوں میں بے حد اہمیت حاصل ہے، کیونکہ یہ جنگ کفر اور اسلام کے درمیان فیصلہ کن معرکے کی حیثیت رکھتی تھی اور اس میں مخالفین اسلام کو عبرتناک ہزیمت اور مسلمانوں کو زبردست فتح حاصل ہوئی تھی۔ حضرت حارثہ بن سراقہ ؓ اس جنگ میں شہید ہو گئے تھے۔

بیٹا جنت الفردوس کے باسیوں میں

حضرت ربیع ؓ بیٹے سے بہت اداس رہتی تھیں۔ بسا اوقات ماں کی ممتا کا معصوم جذبہ اس قدر جوش میں آ جاتا کہ وہ دل پر قابو نہ رکھ سکتیں اور آنکھوں سے بے ساختہ آنسو رواں ہو جاتے۔ ایک روز اتنی مغموم ہوئیں اور بیٹے کی موت کے صدمے نے اس درجہ شدت اختیار کی کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپؐ کو معلوم ہے میدان بدر میں میرا لخت جگر حارثہ جام شہادت نوش کر چکا ہے اور میں اس کی جدائی میں بہت مغموم ہوں۔ میں آپؐ سے یہ معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ میرا پیارا بیٹا کس حال میں ہے؟ اگر وہ جنت میں ہے تو صبر کروں اور اس یقین پر کہ وہ آرام سے ہے اظہار مسرت کروں۔ اور اگر خدانخواستہ صورت حال کچھ اور ہے تو مجھ پر دو صدمے ہوں گے۔ ایک بیٹے کی موت کا، دوسرے اس کی تکلیف کا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ربیع خوش رہو۔ اسے جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام حاصل ہو چکا ہے۔''

حضرت ربیع ؓ کا ایک خاتون سے جھگڑا

حضرت ربیع ؓ ایک مرتبہ کسی عورت سے کسی معاملے میں جھگڑ پڑیں اور غصے میں آ کر اس کا دانت توڑ ڈالا۔ اس کے متعلقین نے اس کا انتقام لینا چاہا۔ معاملہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش ہوا تو آپؐ نے قصاص کا حکم دیا۔ اس پر حضرت ربیع ؓ کے بھائی حضرت انس بن نضر ؓ کھڑے ہوئے اور لجاجت کے انداز میں عرض کیا کہ ربیع کے دانت نہ توڑے جائیں۔ حضرت انس ؓ کے اس عاجزانہ اسلوب گفتگو سے بلا استثنا تمام حاضرین مجلس کو رحم آ گیا اور حضرت ربیع ؓ کو معاف کر دیا گیا۔

وفات:

حضرت ربیع ؓ کی تاریخ ولادت و وفات کے بارے میں معلومات نہیں حاصل ہو سکیں۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ سیدہ ربیع ؓ، ان کے بیٹے اور ان کے خاندان کو اپنی رحمت سے نوازے اور انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے۔ آمین یا رب العالمین!

ہم سے کردر گزر!

عامرہ احسان
amira.pk@gmail.com

ملکی فضا کا انتشار وافتراق طبیعت کو مکدر کیے دے رہا تھا۔ نئے ہجری سال کی ابتداء اور شہادتِ سیدنا عمر ؓ کے تذکرے لازم وملزوم ہیں۔ رشد و ہدایت کا ایک مینار اور حق و باطل مابین کسوٹی! اگرچہ یہ شہادت سانحۂ عظیم تھا اسلامی تاریخ کا، مگر یہ وہ ہستی ہے کہ جس کا تذکرہ ہی دلوں کو گرما دے، ولولۂ تازہ سے بھر دے۔ یاس کی تاریکیاں چھٹ جائیں۔ سیدنا علی ؓ نے ان کی شہادت پر فرمایا تھا: ''عمر! اللہ تم پر رحم فرمائے، تم نے اپنے بعد کوئی ایسا شخص نہیں چھوڑا، جسے دیکھ کر مجھے یہ تمنا ہوتی کہ اس جیسا عمل کرتے ہوئے اللہ سے ملوں۔ اللہ کی قسم! مجھے یہ یقین تھا کہ وہ آپ کے دونوں ساتھیوں کے ساتھ رکھے گا۔ میرا یہ یقین اس وجہ سے تھا کہ میں رسول اللہ ﷺ کو کثرت سے یہ کہتے ہوئے سنتا تھا: میںؐ گیا اور ابوبکرؓ و عمرؓ گئے، میںؐ اور ابوبکرؓ و عمرؓ داخل ہوئے، میںؐ اور ابوبکرؓ و عمرؓ باہر آئے۔'' (بخاری)

حضرت عبداللہ بن عباس ؓ نے سیدنا عمر ؓ کی شہادت کے وقت ان الفاظ میں تسلی انہیں دی تھی: ''آپ کی خلافت پر دو لوگوں کے مابین بھی اختلاف نہ تھا، ایسے اجماع کے ساتھ آپ نے خلافت سنبھالی تھی۔''

اقبال کے یہ اشعار سیّدنا عمر ؓ کو کیا خوب جچتے ہیں:

تنے پیدا کن از مشتِ غبارے
تنے محکم تر از سنگیں حصارے
درونِ اُو دلِ درد آشنائے
چوں جوئے در کنارے کوہسارے

(مشتِ خاک سے وہ وجود اُٹھا جو پتھر کے حصار سے زیادہ مستحکم ہو۔ مگر جس کے اندر درد آشنا دھڑکتا دل یوں ہو جیسے کوہسار کے دامن میں بہتی ندی!)

اہلِ ایمان کا حیران کن توازن جنگوں میں کھل کر سامنے آتا ہے۔ کفار جہاں وحشی درندے ہو جاتے ہیں، مومنانہ صفیں سورۃ الانفال سے، (جنگوں میں بھی) نماز سے للّٰہیت اور خشوع پاتی ہیں۔ جسم، دل، کھال نرم پڑ جاتی، چشمے پھوٹ بہتے ہیں۔ خدا خوفی ہر جا رہنما ہوتی ہے۔ (جس کا ہماری سیاسی جنگوں سے گزر بھی نہیں!) نبی کریم ﷺ نے سیدنا عمر ؓ کی مثال حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دی تھی جنہوں نے کہا تھا: ''یا اللہ! ان کے دلوں کو مہر کر دے کہ یہ ایمان نہ لائیں جب تک عذابِ الیم نہ دیکھ لیں۔'' اشِدَّاءُ علی الکُفَّار میں یہ سختی اور رُحَماءُ بینھم میں بھی ضرب المثل۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مدین میں دیکھیں تو تھکا ماندہ اجنبی مسافر، جوتے پھٹ چکے، آبلہ پا، راستے میں درختوں کے پتے کھاتے ہونٹ کٹ گئے۔ اس حال میں بھی کنویں پر خواتین کی بے چارگی پر طبیعت کی نرمی، نیکی مدد کو لپکتی ہے۔ حالانکہ گرد وپیش مَردوں کا جمگھٹا مروّت سے بے پروا تھا! خواتین کے جانوروں کو پانی پلایا۔ اور پھر اپنا فقر لیے درخت کے نیچے عجز سے رب تعالیٰ کو پکار رہے ہیں! اجابتِ دعا لدی پھندی مجسم چلی آئی۔ دردمندی کے احساس، لمحے کی نیکی، الشکور رب کے ہاں سے آٹھ دس سال کی ملازمت کا پروانہ، گھر، خاندان، بیوی، بچے، نبوت، فرعون کی غرقابی، بنی اسرائیل کی نجات لے کر آئی۔ اخلاص اور مروّت کو اتنا پھل لگتا ہے! ہماری تاریخ روح سیراب وشاداب کر دینے والی ہے جہاں سے کھول لیجیے! یہی کوہسار کنارے جوئے نغمہ خواں سیدنا عمر ؓ بھی تھے۔ بیواؤں کے لیے کاندھے پر مشک رکھے پانی بھرتے، مجاہدین کی بیویوں کے لیے بازار سے سودا سلف لاتے۔ پھر تھک کر مسجد کے گوشے میں فرشِ خاک پر لیٹ جاتے۔

اسی طرح ایک دن شہر سے باہر تھک چکے تھے۔ غلام کو گدھے پر سوار دیکھا، ساتھ بٹھا لینے کی درخواست کی۔ وہ فوراً اتر گیا اور گدھا پیش کیا۔ فرمایا: نہیں! تم سوار رہو، اور امیر المومنین اس طرح مدینہ میں داخل ہوئے کہ گدھے پر غلام کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ (ہمارے ہاں افسران تک ڈرائیور کے ساتھ آگے بیٹھنا ہتک سمجھتے ہیں۔ گاڑی کا دروازہ خود کھولنے اور بریف کیس اپنا خود اٹھانے سے بھی معذور ہوتے ہیں!) سفر میں امیر المومنین کے لیے درخت کا سایہ شامیانہ ہوتا اور فرشِ خاک بستر! جبکہ رعایا کا یہ عالم کہ زکوٰۃ دینے نکلیں تو مستحقِ زکوٰۃ نہ ملے۔ معاذ بن جبل ؓ یمن کے گورنر تھے۔ صوبے کے بجٹ سے بچی رقم مرکز کو دینے کو بھجوائی۔ سیدنا عمر ؓ ناراض ہوئے، واپس کر دی کہ وہیں فقراء کو دو (مدینہ خوشحالی سے سیراب تھا!) جوابی خط آیا کہ میرے صوبے میں کوئی مستحق نہیں ہے!

اور امن کا یہ عالم کہ نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خوشخبری پوری ہوئی کہ تنہا عورت حیرہ سے مکہ تک کا سفر کرے گی، ایک اللہ کے سوا کسی کا خوف نہ ہوگا! آج ہمارے پورے ملک میں لوٹ مار، چوری ڈاکے کا بازار گرم ہے۔ بھری ٹرین میں، موٹروے پر روشنیوں کے باوجود، کوچ کے سفر میں لٹتی خواتین! روزانہ اغوا قتل ہوتے معصوم بچے! (ریاست مدینہ کے دعووں بھرے اتنے سال) اور یہ موازنہ بھی کر لیجیے کہ سیدنا ابوبکر ؓ نے حضرت عمر ؓ کو خلیفہ بنانے کا ارادہ کیا، تو وہ حضرت ابوبکر ؓ کے پاس آئے، ماننے سے انکاری ہوئے۔ حضرت ابوبکر ؓ نے تلوار کی دھمکی دی تو سر جھکایا۔ یہاں کرسیوں، ووٹوں، عدل وانصاف کے گھن چکر، آپا دھاپی، کھینچا تانی، میوزیکل چیئرز کا نقشہ اور وہاں منصب سے لرزاں وترساں عمر ؓ جیسا جری آدمی! سیدنا عمر ؓ نہ صرف باصلاحیت امراء وگورنر مقرر کرتے بلکہ حکام کی سخت نگرانی کرتے۔ ارشاد فرمایا: مَیں نے گورنر اس لیے نہیں بھیجے کہ وہ تمہیں کوڑوں سے پیٹیں یا تمہارا مال تم سے لے لیں، بلکہ اس لیے کہ وہ تمہارے مسائل عدل وانصاف کے ساتھ حل کریں اور مال تمہارے درمیان عدل سے تقسیم کریں۔ مسلم معاشرے کی اصل بنیاد ہی عدل وانصاف ہے۔ خدا خوفی پر مبنی حق کے گواہ، عدل قائم کرنے والے، کہ یہی تقویٰ ہے۔ (المائدہ:8)

امام رازی ؒ کہتے ہیں کہ ''امن قائم کرنا (جس کی بنیاد عدل وانصاف ہے نہ کہ انصاف طلب مظلوم عورتیں ہراساں کی جائیں) بھوک رفع کرنے سے بھی مقدم ہے۔ عدل وانصاف ہو تو بھوک بھی ختم ہو جاتی ہے۔'' سستا اور فوری انصاف یقینی بنانا مسلم حکومت کی اوّلین ذمہ داری ہے۔ رعایا کے تحفظ کے لیے ہمارے سیٹی اور ڈنڈا بردار چوکیدار کی مانند 22 لاکھ مربع میل کی وسیع

وعریض پُرشکوہ مملکت کا امیرالمومنین راتوں کو مدینہ کی گلیوں میں پھرتا پہرہ دیا کرتا تھا۔ قیادت کا کام عوام کی حفاظت کرنا تھی، اپنی حفاظت نہیں۔ یہاں بلٹ پروف، بم پروف قیادت ہے۔ پولیس کی آدھی نفری تو بڑوں کی حفاظت پر متعین ہے، جو کنالوں، ایکڑوں پر محیط محلات میں رہتے ہیں۔ سیدنا عمر ؓ نے ایک مصری شہری کی شکایت پر (ناروا کوڑے مارے گئے تھے۔) گورنر اور بیٹے کو طلب کرلیا۔ مصری نے بدلے میں اتنے ہی کوڑے (عدلِ فاروقی پر) گورنر کے بیٹے کو مار کر شرعی بدلہ لے لیا۔ اس پر وہ تاریخی جملہ گورنر سے کہا: ''لوگوں کو اُن کی ماؤں نے آزاد پیدا کیا تھا، تم نے انہیں غلام کب سے بنالیا!'

جب قحط پڑا تو گوشت مکھن دودھ ختم ہوگیا، جو بنیادی خوراک تھی۔ سیدنا عمر ؓ نے قسم کھالی کہ جب تک عام انسان کو بازار میں یہ چیزیں میسر نہ آئیں گے، وہ یہ نہیں کھائیں گے۔ بازار میں یہ چیزیں آگئیں اگرچہ مہنگی تھیں۔ ملازم گیا اور دودھ، مکھن 40 دینار میں خرید لایا کہ اب آپ کی قسم پوری ہوگئی۔ جب 40 دینار کا سنا تو انکار کردیا۔ یہ اسراف ہے، میں ہرگز استعمال نہ کروں گا۔ جب تک میں اس تکلیف سے نہ گزروں جس سے عوام گزر رہے ہیں، مجھے ان کے دکھ درد کا احساس کیونکر ہوسکتا ہے! لہٰذا جب تک قیمت نہ گری نہ خریدا نہ استعمال کیا۔ عتبہ آذربائی جان میں تھے۔ مسلمان بہت سادہ غذا کے عادی تھے۔ طرح طرح کے ذائقوں سے ناآشنا۔ فتحِ آذربائی جان سے وہ ایک نئے میٹھے پکوان سے آشنا ہوئے۔ سوچا خلیفہ کو بھیجتا ہوں۔ ڈھیر سارا بنوا کر اونٹ پر لادا اور بھیج دیا۔ سیدنا عمر ؓ نے چکھا، فرمایا: ''بہت لذیذ اور میٹھا ہے۔'' اگلا سوال یہ تھا: ''کیا یہ آذربائی جان میں تمام مسلمانوں کو میسر ہے؟'' پتا چلا کہ نہیں! سیدنا عمرؓ نے فرمایا: اسے واپس لے جاؤ! اور خط لکھ بھیجا: ''یہ پیسہ نہ تمہاری ماں کا ہے نہ باپ کا، جو تم دونوں ہاتھوں سے لٹا رہے ہو۔ کوئی چیز مت کھاؤ، جب تک وہ تمام مسلمانوں کو میسر نہ ہو۔ تمہیں یہ خصوصی مراعات کیوں حاصل ہوں، جبکہ یہ تمہارے والدین کا پیسہ نہیں ہے!'' یہ تھے عمر ؓ۔ خود کو کسی ترجیح کے لائق نہ سمجھنے والے!

رہے ہمارے حکمران تو شاید یہ ہم عوام کو اپنے والدین سمجھتے ہیں۔ (سیدنا عمر ؓ کے پیرائے میں)۔ بے حد وحساب مراعات عوام کے پیسے سے اڑاتے ہیں۔ اگر اوّل تا آخر بیوروکریسی، جج، جرنیل، ہر سطح کے حکمرانوں کی مراعات تفصیلاً چھاپ دی جائیں تو عوام کی مفلسی، قرضوں کے انبار اور ان بڑوں کے ارب پتی ہونے کے راز اور وجوہات سب سامنے آجائیں۔ ان سفید ہاتھیوں نے عوام سے خون کی ہر رمق چھین لی ہے۔ اللہ کی رحمت ہم سے دور ہوگئی۔ جھوٹ کی بدبو (گناہوں میں بدبو ہوتی ہے۔) سے نبی محترم ﷺ کی صراحت کے مطابق، فرشتے دور چلے جاتے ہیں۔ پورے ملک میں جھوٹ سیاہ بادل بن کر چھایا ہوا ہے۔ اس تسلسل، ڈھٹائی اور بے خوفی سے جھوٹ دہرایا جاتا ہے کہ وہی سچ لگنے لگے۔ عقل ماؤف ہوجائے۔ شیطان فارغ ہوکر سوجائے! یہی فتنۂ دجال ہے! ؎

تیری رحمت کی ربّاہ! بس اک نظر!
بخش دے ہر خطا، ہم سے کر درگزر!

۞۞۞

تربیت اولاد

نسل نو کی تربیت، دور حاضر کا چیلنج

محمد عاصم

تیزی سے بدلتے حالات اس بات پر شاہد ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کی بتائی گئی احادیث مبارکہ کے مطابق اس فانی دنیا کے بالکل آخری دور سے گزر رہے ہیں۔ فتنہ دجالیت میں ڈوبی اس فانی دنیا میں جیسی زندگی ہم گزار رہے ہیں، بلکہ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اندازاً اپنی زندگی کا اکثر حصہ ہم کسی نہ کسی طرح گزار ہی چکے ہیں۔ میرا خطاب آج کل کے والدین سے ہے کہ ہم نے اپنی زندگی کے حسین لمحات جس دور میں گزارے اس میں کچھ خیر کا معاملہ بہرحال ہم نے حاصل کر ہی لیا۔ اسی لیے شرم وحیا، حسن اخلاق اور صلہ رحمی کا مادہ ہماری زندگی میں کسی طور سے زندہ ہے۔ لیکن ہماری آنے والی نسل اور اس گزرتے دور میں تو جنازہ ہی نکل گیا ہے۔ جس طرح مغرب کی تقلید میں حیا کا تصور ختم ہوگیا ہے اور لادینیت اور مادر پدر آزادی ہماری نسل میں ڈال دی گئی ہے۔ اس سے بچنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہوگیا ہے۔ اور پھر ہماری سوچ کا محور اور تمام کوششیں صرف یہاں تک ہی محدود ہیں کہ ہمارے مرنے کے بعد ہماری اولاد کا کیا ہوگا؟ لیکن اپنی اولاد کے مرنے کے بعد اس کا کیا ہوگا؟ ہم یہ نہیں سوچتے۔ خدارا ہمیں اپنی اولادوں کے ساتھ صحیح معنوں میں مخلص ہونا پڑے گا۔ جو حقوق ہم پہ اولاد کے عائد ہوتے ہیں انہیں بعینہ ایسے ہی ادا کرنا چاہیے جیسا کہ ادا کرنے کا حق ہے۔ اولاد کی آخرت بنانے کی فکر کریں۔ انہیں اصولی زندگی گزارنے کا طریقہ سکھائیں جس میں والدین اور بڑوں کا ادب واحترام، آپس میں محبت ومساوات کا درس، ایمان وحیا کا تصور حقیقی شامل ہو۔ اگر ہم اپنے آباء واجداد پر ایک نظر ڈالیں تو وہ سب لوگ یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کرتے نہیں ملیں گے لیکن ان کی زندگی اعلیٰ اخلاقی بنیادوں پر استوار تھی۔ جبکہ ہم اپنے اردگرد نظر دوڑائیں تو آنے والی نسل کی تباہی روز روشن کی طرح نظر آئے گی۔ سوشل میڈیا اور موبائل کا استعمال چھوٹے چھوٹے بچوں سے ان کی زندگی کی حقیقی خوشیاں چھین چکا ہے۔ صبر برداشت کا مادہ نوجوانوں میں نظر نہیں آتا۔ رہی سہی کسر ٹک ٹاک جیسی ایپلیکیشن نے اکثر گھروں میں فحاشی کی اک نئی قسم متعارف کرواکے نکال دی ہے۔ مغربی تہذیب کا لبادہ اوڑھنے والی اولادوں کے عمل کی حوصلہ شکنی کریں۔ ان کے روز وشب کے اعمال کا محاسبہ کریں اور دیکھیں کہ کہاں ہم سے غلطی ہوچکی ہے، تاکہ مزید بات بگڑنے سے پہلے اپنے آپ کو سدھارنے کی کوشش کریں، اور پھر جو مہذب طریقہ دین ہمیں سکھاتا ہے، اور سیرت النبیؐ، صحابہ وصحابیات ؓ کی سیرت سے جو رہنمائی ملتی ہے اس پہ اپنے بچوں کی زندگیوں کو ڈھالیں۔ تاکہ کل قیامت کے دن اللہ کے حضور اللہ کی رحمت کے مستحق ہوں۔ اور اپنے بچوں کے سامنے بھی سرخرو ہوسکیں۔ ایسا نہ ہو کہ بروز قیامت ہماری ہی اولاد نے ہمارا گریبان پکڑ رکھا ہو اور التجا کررہے ہوں کہ ہماری زندگی کو تباہ کرنے والے ہمارے ہی والدین ہیں۔

۞۞۞

How the West Lost the 'Global Battle of Narratives'

In a blog entry, reflecting on the G20 Foreign Ministers' meeting in Bali, Indonesia on July 7-8, the High Representative of the European Union, Josep Borrell, seems to have accepted the painful truth that the West is losing what he termed "the global battle of narratives"."The global battle of narratives is in full swing and, for now, we are not winning," Borrell admitted. The solution: "As the EU, we have to engage further to refute Russian lies and war propaganda," the EU's top diplomat added.

Borrell's piece is a testimony to the very erroneous logic that led to the so-called 'battle of narratives' to be lost in the first place.Borrell starts by reassuring his readers that, despite the fact that many countries in the Global South refuse to join the West's sanctions on Russia, "everybody agrees", though in "abstract terms", on the "need for multilateralism and defending principles such as territorial sovereignty".

The immediate impression that such a statement gives is that the West is the global vanguard of multilateralism and territorial sovereignty. The opposite is true. The US-western military interventions in Iraq, Bosnia, Afghanistan, Syria, Libya and many other regions around the world have largely taken place without international consent and without any regard for the sovereignty of nations. In the case of the NATO war on Libya, a massively destructive military campaign was initiated based on the intentional misinterpretation of United Nations Security Council resolution 1973, which called for the use of "all means necessary to protect civilians".

Borrell, like other western diplomats, conveniently omits the West's repeated – and ongoing – interventions in the affairs of other nations, while painting the Russian-Ukraine war as the starkest example of "blatant violations of international law, contravening the basic tenets of the UN Charter and endangering the global economic recovery". Would Borrell employ such strong language to depict the numerous ongoing war crimes in parts of the world involving European countries or their allies? For example, France's despicable war record in Mali? US invasion of Afghanistan and Iraq? Or, even more obvious, the 75-year-old Israeli occupation of Palestine?

While naturally, a war between two countries that contribute a large share of the world's basic food supplies will detrimentally impact food security, Borrell made no mention that the thousands of sanctions imposed by the West on Moscow have disrupted the supply chain of many critical products, raw material and basic food items.When the West imposed those sanctions, it only thought of its national interests, erroneously centered around defeating Russia. Neither the people of Sri

Lanka, Somalia, Lebanon, nor, frankly, Ukraine were relevant factors in the West's decision.

Borrell, whose job as a diplomat suggests that he should be investing in diplomacy to resolve conflicts, has repeatedly called for widening the scope of war on Russia, insisting that the war can only be "won on the battlefield". Such statements were made with western interests in mind, despite the obvious devastating consequences that Borrell's battlefield would have on the rest of the world.

Still, Borrell had the audacity to chastise G20 members for behaving in ways that seemed, to him, focused solely on their national interests. "The hard truth is that national interests often outweigh general commitments to bigger ideals," he wrote. If defeating Russia is central to Borrell's and the EU's "bigger ideals", why should the rest of the world, especially in the Global South, embrace the West's self-serving priorities?

Borrell also needs to be reminded that the West's "global battle of narratives" had been lost well before February 24. Much of the Global South rightly sees the West's interests at odds with its own. This seemingly cynical view is an outcome of decades – in fact, hundreds of years – of real experiences, starting with colonialism and ending, presently, with the routine military and political interventions.Borrell speaks of 'bigger ideals', as if the West is the only morally mature entity that is capable of thinking about rights and wrongs in a selfless, detached manner. In addition to there being no evidence to support Borrell's claim, such condescending language, itself an expression of cultural arrogance, makes it impossible for non-western countries to accept, or even engage, with the West regarding the morality of its politics.

Perhaps, Afghans are the most vulnerable people in the world today, thanks to 20 years of a devastating US/NATO war which has killed and maimed tens of thousands. Though the US and its western allies were forced out of Afghanistan last August, billions of dollars of Afghan money are illegally frozen in Western bank accounts, pushing the whole country to the brink of starvation. Why can Borrell not apply his 'bigger ideals' in this particular scenario, demanding immediate unfreezing of Afghan money?

In truth, Borrell, the EU, NATO and the West are not only losing the global battle of narratives, they have never won it in the first place. Winning or losing that battle never mattered to Western leaders in the past, because the Global South was hardly considered when the West made its unilateral decisions regarding war, military invasions or economic sanctions.The Global South matters now, simply because the West is no longer determining all political outcomes, as was often the case. Russia, Chinaand others are now relevant, because they can collectively balance out the skewed global order that has been dominated by Borrell and his likes for far too long.

<u>**Source**</u>**:** ***An article by Dr Ramzy Baroud; posted on*** *https://www.middleeastmonitor.com/*

Vol. 31 Regd. C.P.L NO. 114 No.30

Weekly **Nida-e-Khilafat** Lahore